جملہ حقوق محفوظ

حرماں نصیب

یعنی

ناکامِ محبت فیروزہ کا افسانۂ غم

اثرِ خامہ

محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ

...النسا بیگم - آہِ مظلوماں وغیرہ

سنہ ۱۹۳۸ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

T.T.F LIBRA...
No: 206

قیمت ۴ر ۱۱ پائی

بار چہارم

Taj Tahir Foundation

حرماں نصیب

یعنی

ناکامِ محبت فیروزہ کا افسانۂ غم

از خامہ

محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ
مصنفہ اختر النساء بیگم - آہِ مظلوماں وغیرہ

۱۹۳۸ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

قیمت ۴ر ۱۱ پائی

بارِ چہارم

Taj Tahir Foundation
T.T.F LIBRARY
No: 206

Taj Tahir Foundation

دُکھیا

کیا اب تو نہیں آئے گا؟ صبح سے شام اور شام سے رات ۔ سینکڑوں دن اسی طرح گزر گئے ۔ مگر اے اچانک چلے جانے والے ۔ نہ صبح کی روشنی ہی تجھے میرے پاس لائی ۔ اور نہ رات کی تاریکی !

صُبح کو پرندوں کی معصوم آواز میرے مایوس انتظار جسم میں اُمید کی ایک نئی لہر دوڑا دیتی ہے مَیں سمجھتی ہُوں ۔ کہ شائد تُو آنے والا ہے اور پرندے تیرے ہی انتظار میں استقبال کے گیت گا رہے ہیں ۔ مَیں بھی اُن کے ساتھ گانے لگتی ہوں ۔ مگر آہ دوپہر میں شگفتہ ہو کر آخر مُرجھا جاتی ہوں ۔ دن میری طرح مایوس ہو کر دم توڑ دیتا ہے ۔ اور تو نہیں آتا !

شام کو تو بڑے چھوٹے سب ہی دن بھر کی مصروفیت کے بعد اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں بچے مدرسوں سے اُچھلتے کُودتے ۔ بڑے اپنے اپنے کاموں سے اطمینان اور فراغت کے سانس لیتے ہیں ۔ مگر او میرے ننّھے سے دل والے معصوم تو ایسے کس کام میں مصروف ہو گیا ۔ کہ تجُھے یہ بھی خیال نہ رہا ۔ کہ تیری منتظر رات کی پریشان گھڑیاں تارے گِن گِن کر گزار رہی ہے ؟

اے جان سے زیادہ پیارے ۔ اب میں اس دُنیا میں تنہا ہوں ۔ میرا کہیں ٹھکانا نہیں ۔ مجُھے کوئی اطمینان کی گھڑی نصیب نہیں میری تو شیریں ساعتیں وہیں تک تھیں ۔ جب تو میری آنکھوں کے سامنے رہا

کرتا تھا۔ اور میرا تخیّل تیرے متعلق اُمیدوں کے ایک پھول کی پنکھڑیوں کی سی نازک دُنیا کی تعمیر میں مصروف رہتا تھا ✦

ہائے تو اچانک بسترِ علالت پر سے مجھ سے جُدا کر دیا گیا۔ اور کوئی نہیں بتاتا۔ کہ تو پھر مجھ سے ملیگا بھی یا نہیں۔ میں سب سے پوچھتی ہوں۔ کہ تو آخر کب واپس آئیگا۔ وہ اِس کا کُچھ جواب نہیں دیتے مُسکراتے ہیں اور مجھے حیرت سے دیکھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ لیکن جب کوئی ٹھیر کر میری اِلتجا دل کے کانوں سے سُن لیتا ہے۔ تو اس کی آنکھیں اَشکوں ہو جاتی ہیں۔ اور جب وہ مجھے افسوس سے کہتا ہے۔ کہ اب تو نہ آئیگا۔ تو میں چاہتی ہوں کہ اس خاکی جسم کا بوجھ اُتار کر اپنی رُوح کو تیری تلاش میں آوارہ کردوں ✦

اے دُنیا میں سب سے پیارے تیری محبت کا جوش سرد کیوں پڑ گیا۔ کیا میری کانپتی ہوئی آواز درد تیرے نرم و نازک دل کی خدمت میں میری بے چینی کا اظہار کرنے کے قابل نہیں ہے۔ تو مجھ کو اس سنسان دُنیا میں چھوڑ کر تنہا کس طرح آرام کر رہا ہے۔ یہ جُدائی کی ساعتیں جو میری برداشت سے باہر ہیں۔ تو کہاں گزار رہا ہے۔ اگر میں سمجھتی ہوں۔ کہ تیرا وہاں کا آرام مکمل ہے اور میری بے تابیوں کی ٹوٹی پھوٹی صدائیں نارسا۔ تو پھر تو مجھے بھی اپنے قریب ہی بُلالے۔ کہ اب اس زندگی کا بار میری برداشت سے بہت زیادہ ہے ✦

دور آبادی سے میلوں کے فاصلے پر سیاہ پہاڑیوں کے سنسان اور ویران دامن میں ایک پتھر کی ننھّی سی جھونپڑی ہے۔ جس کے قریب

Taj Tahir Foundation

ہی ایک خانقاہ کھڑی ہے + اس جھونپڑی میں ایک نوجوان عورت رہتی ہے۔ جس کے متوحش و متجسس دل کے مایوسانہ خیالات سے ناظرین شروع ہی میں آگاہ ہو چکے۔ جنہیں ابھی ابھی وہ عالم تنہائی میں ایک پرانے پیپل کے نیچے بیٹھی بڑبڑا رہی تھی + چونکہ یہ خانقاہ شہر سے بہت فاصلے پر ہے۔ اس لئے خوش عقیدت لوگ بھی اس طرف بہت کم آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی مہینے میں ایک دو جمعراتوں کو جو چند لوگ نذر چڑھانے یا زیارت کرنے کو آجاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ عورت دراصل انسان نہیں۔ کوئی پریشان روح ہے۔ کیونکہ لق و دق میدان میں ایک کم عمر عورت کا اس طرح تنہا اور بے یار مددگار رہنا ممکن معلوم نہیں ہوتا +

خانقاہ کے مجاور سے بھی جہاں تک پوچھا گیا۔ یہی پتہ چلا۔ کہ تھوڑے ہی عرصے وہ اُس کو اس جھونپڑے میں دیکھ رہا ہے۔ وہ کبھی کبھی دیوانوں کی طرح بھٹکتی بھٹکاتی خانقاہ پر بھی آجایا کرتی ہے۔ دریافت کرنے پر اس نے مجاور کو اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ جس سے اُس کا بھی یہی خیال ہے۔ کہ وہ ضرور کوئی مغموم روح ہے +

ایک عرصہ گزرا اسی پتھر کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک ہندو سادھو رہا کرتا تھا۔ مگر جب سے اُس کا انتقال ہوا۔ جھونپڑی خالی اور ویران پڑی تھی۔ جس کو اب اس حسین روح نے پھر آباد کر دیا تھا + قریب ظہر وہ اندر سے نکلی۔ کچھ دیر جھونپڑی کے آگے کھڑی رہی۔ پھر پیپل کے نیچے آبیٹھی اور اپنی دھن میں دیر تک بڑبڑاتی رہی۔ پھر اُٹھی قریب ہی ایک چشمہ تھا۔ اس پر وضو کیا۔ اور نماز کیلئے پھر اندر چلی گئی۔ معلوم ہوتا ہے یہ روح مسلمان ہے

ایک گھنٹہ گزرنے بعد دروازہ پھر آہستہ سے کھلا۔ وہ باہر آئی وہ ایک سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ پریشان قدم اُٹھاتی ہوئی خانقاہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کی رفتار ایسی تھی۔ جیسے کوئی ہرنی جنگل میں رستہ بھول کر بھٹکتی پھر رہی ہو۔ خانقاہ کے باہر مجاور بیٹھا ہوا حقہ پی رہا تھا۔ گو وہ عین اس کے سامنے تھا۔ مگر وہ گرد و پیش کی تمام چیزوں سے بے خبر تھی۔ وہ اپنی دُھن میں سیدھی مزار پر چلی گئی۔ فاتحہ پڑھی اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھائے واپس جا رہی تھی۔ کہ مجاور اُس کی محویت میں مخل ہوا اور بولا :۔

"بی بی ذرا ایک بات سنتی جاؤ"

سیاہ پوش عورت یوں ٹھٹکی گویا قریب سے دفعتاً کسی بندوق کی گولی گزر گئی۔ اس نے مجاور کو دیکھا۔ اور مُردہ آواز سے کہا "کیا ہے بابا؟"

مجاور۔ تمہیں اس سامنے کی کٹیا میں رہتے رہتے عرصہ گزر گیا۔ مگر آج تک مجھے کچھ معلوم نہ ہوا۔ کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئی ہو۔ کیوں آئی ہو۔ اور کب تک رہوگی؟" مجاور ایک لمحہ کو خاموش ہو گیا اس کا خیال تھا۔ کہ وہ کچھ جواب دیگی۔ لیکن جب وہ ایک بُت کی طرح ساکت و خاموش رہی تو اُس نے کھنکار کر کہا "لوگ یہ خیال کرنے لگے ہیں۔ کہ تم انسان نہیں بلکہ کوئی جن بھوت یا کسی عجیب و غریب مخلوق سے ہو۔ تمہاری وجہ سے میرا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ ایک تو یُوں نہیں شہر سے کوسوں دُور ہونے کی وجہ سے لوگ بہت کم آتے تھے۔ کوڑھ پہ کھاج تُم آگئیں۔ جب سے تُم نے یہاں بسیرا کیا ہے۔ صرف تمہارے خوف کی وجہ سے کوئی بھی ادھر کا رُخ نہیں کرتا۔ بچوں والی عورتوں ہی کی نذر نیاز

سے ہمارے پیٹ کو ہو رہتا تھا۔ وہ اب ادھر آنے سے کانوں پر ہاتھ دھرتی ہیں۔ سوا ز برائے خُدا کوئی تدبیر ایسی کرو۔ کہ مَیں بھوکا نہ مروں۔ اگر رہنا ہی ہے۔ تو اپنا حال بتاؤ کہ میں سب کا اطمینان کردوں "

عورت خاموشی سے زمین پر ہی بیٹھ گئی۔ اس کی نظر سامنے اپنی جھونپڑی پر تھی۔ وہ بولی "بابا۔ اب میرے لئے زمین کے اس ویران اور غیر آباد حِصّے پر بھی جگہ نہ رہی۔ اچھا ذرا صبر کرو۔ مَیں نے آج خُدا کے سامنے اپنے پیارے سے التجا کی ہے کہ مجھے اپنے پاس بُلالے۔ یقیناً وہ مجھے بہت جلدی بلالے گا" اور عورت کا چہرہ یکایک یوں چمکنے لگا۔ جیسے آفتاب بادلوں کے نقاب میں سے چہرہ نکال کر مسکرا دیتا ہے

مجاور "کون تمہارا پیارا؟ اگر تُم سچ مچ انسان ہو۔ تو بہت ہی غمزدہ معلوم ہوتی ہو کہ حواس تک بجا نہیں۔ مگر مجھے اپنا مفصّل حال بتاؤ شائد میں تمہاری مدد کرسکوں "

عورت کے چہرے پر پھر غم و الم کے بادل گھِر آئے۔ اس نے رُک کر ایک آہ بھری اور آہستہ سے کہا "میری مدد کسی کے بس کی نہیں۔ دُنیا والوں کے ہاتھوں پریشان ہو کر مَیں اس اُجاڑ مقام پر چلی آئی تھی۔ اب تمہیں بھی میرا رہنا دوبھر ہو گیا۔ اچھا تُم کل تک اور ٹھہرو۔ کل مَیں ضرور آسمان پر چلی جاؤنگی "

یہ کہہ کر لڑکی نے جواب کا انتظار نہ کیا۔ کھڑی ہو گئی۔ اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی کُٹیا کو چل دی۔ متحیّر و متعجب فقیر اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کی دہشت اور بڑھ گئی۔ اور اسے یقین ہو گیا ہے۔ کہ انسان نہیں۔ بلکہ کسی اور قسم کی مخلوق ہے

آج نوچندی جمعرات تھی۔ شہر سے کچھ مزدوری پیشہ لوگ منتیں

چڑھانے آنے لگے ۔ انہیں دیکھ کر مجاور فقیر کی جان میں جان آئی ۔ اور اس پُراسرار لڑکی کے خیالات فراموش ہوئے ۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک قیمتی فٹن کی تیز رفتار جوڑی کی آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ۔ غریب مجاور کے لئے یہ بہت ہی نادر موقع تھا ۔ کہ کوئی رئیس اس طرف بھول پڑے ۔ فٹن خانقاہ کے احاطے میں داخل ہوئی ۔ مجاور جلدی سے اُٹھا ۔ تیزی سے گاڑی کے قریب لپکا ۔ اور عاجزی اور مسکینی کی تصویر بن کر سواروں کو سلام کیا ۔

کوچمین " دروازہ کھولو ۔ سرکار فاتحہ پڑھنے اندر تشریف لے جائینگے " ۔

یہ سُن کر فقیر کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو گیا ۔ اور دل انعام کی توقع سے دھک دھک کرنے لگا ۔ اتنے ہی میں گاڑی سے دو امیر کبیر شخص اُترے ۔ ان میں سے ایک تو پُرانے فیشن کا سن رسیدہ شخص تھا ۔ اور دوسرا باغ شباب کا شگفتہ پھول ۔ نوجوان ایک بادامی ریشمی سُوٹ پہنے ہوئے تھا ۔ سر پر ترکی ٹوپی تھی ۔ اور عینک لگائے ہوئے تھا ۔ گاڑی سے اُتر کر وہ رومال سے پسینہ خشک کرتا ہُوا ذرا تیزی سے مزار کی طرف بڑھا بڑے صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا " ٹھیرو بھئی ذری ٹھیرو ۔ پہلے یہ نذرانہ (بٹوے سے چند اشرفیاں نکال کر) لے لو ۔ پھر اندر چلنا ۔

نوجوان جنٹلمین کی پیشانی پر کسی قدر بیزاری کی شکنیں پڑ گئیں ۔ مگر جلدی ہی دُور ہو گئیں ۔ اس نے ایک حقارت انگیز تبسم سے کہا ۔

" ابا جان انہیں تو آپ ہی لیتے چلئے " ۔

باپ کے ماتھے پر غصے کے بل پڑ گئے ۔ اور کرخت لہجے میں کہا ۔ تو نے بھی یہ پَر پُرزے نکال لئے ۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے جیسے صاحبزادہ ظفر صاحب نہ آئے ۔ کہ شرک ہے ۔ ویسے ہی

Taj Tahir Foundation

اب تیرے دماغ میں بھی کیڑے پڑنے لگے۔ ارے بے دینو۔ ملعونو۔ تم نے مذہب کو کھو دیا ؟ اور پھر اس خیال سے کہ شاید مجاور تک آواز پہنچ رہی ہو ذرا مدھم پڑ گئے۔ اور بولے "ہم اپنی اپنے ہاتھ سے چڑھا ئینگے مگر یہ اشرفیاں ظفر کی والدہ نے ظفر کے ہاتھ سے چڑھانے کی مانی تھیں۔ اُس مرتد نے یہاں آنے میں کسرِ شان سمجھی۔ تو اب ان کی تاکید ہے۔ کہ انہیں تم خود پیش کرو" +

نوجوان نے چار ناچار اشرفیاں لے لیں دونوں گھسے اور چڑھا دے چڑھائے۔ نوجوان تو باہر نکل آیا۔ اور اطمینان کا سانس لے کر چاروں طرف کے منظر کو دیکھنے لگا۔ مگر والد صاحب اتنی دیر تک مراقبہ میں رہے کہ نوجوان تھک گیا۔ اور اسے فکر ہوئی۔ کہ کہیں وہ اسی حالت میں سو نہ گئے ہوں + وہ گھبرا گھبرا کر اندر دیکھتا تھا۔ اور بے چینی سے اپنی چھڑی زمین پر مار رہا تھا۔ کہ قبلہ و کعبہ نہایت عقیدت مندانہ طریق پر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے برآمد ہوئے۔ دل کے سخی تھے۔ چنانچہ ایک اشرفی مجاور کو انعام دی + کوچوان گاڑی بڑھا کر سامنے آیا۔ اور دونوں سوار ہو گئے۔ گھوڑے آہستہ آہستہ بڑھے۔ جوں ہی فٹن اس کٹیا کے سامنے سے گزرنے لگی۔ بڑے صاحب نے کوچمین کو گاڑی روکنے کا حکم دیا +

جنٹلمین نے باپ کے منہ کی طرف حیرانی سے دیکھ کر کہا "اب یہاں کیا کیجئے گا؟"

ابّا جان "تم نہیں جانتے اس جھونپڑے میں بھی ایک خُدا کا پیارا رہتا ہے۔ مدت کی بات ہے۔ تم ابھی بچے ہی تھے۔ کہ مَیں اُن سے آخری

بار ملا تھا۔ اب تو اس بات کو تقریباً ۵ سال کا عرصہ آیا۔ کہ آج ادھر آیا ہوں۔ اب لگے ہاتھ اس خدا پرست سے بھی ملتا چلوں“ +

جنٹلمین۔ تو سائیس کو بھیج کر یہیں بلوا لیجئے“ +

ابّا جان“۔ انگریزی پڑھ کر نہ معلوم تم نالائقوں کا مزاج کون سے آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔ ابھی کسی انگریز کی کوٹھی ہوتی تو۔ کس فخر سے ملنے جاتے۔ مگر ایک نیک بزرگ سے ملنے کے لئے دو قدم چلنے کے لئے دم نکلتا ہے نہ خدا کا پیارا سادھو اُسے کیا پڑی ہے۔ جو کسی سے ملنے ملانے کو جوتیاں چٹخاتا پھرے۔ ہم خود اُس کی خدمت میں جائینگے۔ اُترو تم بھی سادھو کو سلام کرو“ +

عجیب مصیبت کا سامنا تھا۔ جنٹلمین کے کلب کا وقت قریب تھا۔ دل بے چین ہو رہا تھا۔ دوست انتظار کر رہے ہونگے۔ سب کو پابندئ وقت کا سبق دیتا تھا۔ آج سب مذاق اُڑائینگے۔ مگر باپ کا سامنا تھا۔ دل میں جلتا بھنتا مجبور وہ دل ناخواستہ اُترا۔ اور پانچ ہی منٹ میں یہ سُن کر کہ ”سادھو کے انتقال کو چار سال ہوگئے“۔ دونوں لوٹ آئے۔ مگر نوجوان کسی گہری سوچ میں پڑا تھا۔ گاڑی بڑھی اور سنسان جنگل سے نکل کر کھیتوں میں پہنچی۔ لیکن نوجوان اب تک بے سر و پا خیال میں غرق تھا۔ آخر کچھ دیر بعد وہ اپنی خاموشی سے خود ہی پریشان ہو کر چونکا۔ ادھر اُدھر دیکھا اور کسی قدر بے تعلق ہو کر کہا بولا:۔

”ابّا جان جھونپڑی میں یہ لڑکی کون تھی۔ کیا سادھو کی بیٹی ہے؟“

ابّا جان“۔ ہم نے خیال نہیں کیا۔ کہ لڑکی تھی یا بڑھیا۔ کوئی مصیبت زدہ فقیرنی ہوگی۔ جو اس سنسان جنگل میں تنہا پڑی ہے۔ مگر تم کو اس کی کیا فکر؟

جنٹلمین نے چہرے پر کچھ بے پروائی پیدا کر کے کہا "یونہی دریافت کرتا تھا۔ لڑکی صورت سے تو کوئی شریف اور اچھے گھرانے کی معلوم ہوتی ہے"۔ پھر دونوں خاموش ہو گئے ✦

افسر محل

زمانہ حال کے مطابق نئے فیشن کی عالی شان کوٹھی موسومہ "افسر محل" میں آج افسرالدولہ افسرالملک بہادر کے اکلوتے بیٹے پانچ سال کے بعد وطن واپس آئے ہیں۔ اور معاودت وطن کی خوشی میں ایک شان دار جلسہ رقص قرار پایا ہے۔ اندر باہر تمام محل مہمانوں سے پٹا پڑا ہے۔ گھر بازار ایک ہو رہا ہے۔ اور کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی ✦

بڑے کمرے میں چاندنی کے فرش پر وسط میں مسند لگی ہے جس پر مخملی گاؤتکیوں کے سہارے پانچ بیگمات بڑی شان و تمکنت سے بیٹھی ہیں۔ ان کی خوشی کا آج اندازہ نہیں۔ بلبل کی طرح چہک رہی ہیں۔ بات بات پر ہنسی پڑتی ہیں۔ لیکن نواب بیگم صاحبہ (جو افسر دلہن مشہور ہیں) کے چہرے سے تھوڑی دیر کے بعد کسی فکر کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ بہنوں اور بھاوجوں نے تاڑ لیا۔ اور انہیں باتوں میں مشغول کرنا چاہا۔ آخر خود ہی نواب بیگم افسر دلہن بولیں :-

اے بہن کیا کہوں وہ کسی طرح مانتا ہی نہیں۔ نیچری تو پہلے ہی تھا۔ مگر اس پانچ برس کے عرصے میں ولایت رہ کر تو پورا عیسائی ہو گیا۔ ہر چند

اصرار سے کہا۔ کہ اپنی منتیں اپنے ہاتھ سے چڑھا۔ مگر ایک نہیں مانتا"۔
سردار دُلھن"۔ اے آپا عیسائی نہ کہو۔ عیسائی ہوں اُس کے دشمن۔ مجھے
تو وہ کچھ بے ہوش سا اور کھویا کھویا دکھائی دیتا ہے۔ جیسے کسی بڑے غم و
فکر میں رہے۔ ہو نہ ہو۔ یہ وہاں کسی فرنگن سے دل لگا کر آیا ہے"۔
بڑی بیگم۔ ہاں ہاں یہ تو ہے ہی۔ رات ہی کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔
میں نے کہا"۔ بچے میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ چراغ سحری ہوں۔
جلدی سے دادی کو سہرا دکھا دے۔ اس ذکر پر اُس کی آنکھوں میں آنسو
بھر آئے اور کھڑا ہو کر پریشانی سے ٹہلنے لگا۔ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کہا
دادی امیر اسہرا کیا۔ خدا جانے میری زندگی کس قدر باقی ہے۔ وہ تو کچھ
بہت ہی بددل ہو رہا ہے"۔
بیگم کی بھانجی۔ "آپ سب کو نہ معلوم کیا کیا وہم ستا رہے ہیں۔ نہ اُس نے
کسی فرنگن سے دل لگایا۔ اور نہ کوئی مذہب ہی چھوڑنے کی بات ہے۔
لندن جانے سے پہلے بمبئی میں جس لڑکی سے ان کو محبت ہو گئی
تھی اُس سے شادی کرنے کی ان کو خواہش تھی۔ آپ سب کی مرضی کے خلاف
وہ اُس سے شادی کا وعدہ کر بھی گئے تھے۔ مگر اب جو آئے تو اُس کا کچھ پتہ
نہیں ہے۔ کہ کہاں ہے۔ اور زندہ ہے۔ یا مر گئی۔ بس اس رنج میں
گھل رہے ہیں"۔
افسر دلہن"۔ اوہو۔ تو اب تک بھی اُس کم بخت کو نہیں بھولے
ولایت بھیجنے میں ہمیں تو سب سے بڑا فائدہ یہی سجھائی دیتا تھا۔ کہ وہ
اُس آوارہ گرد بے پردہ لڑکی کو بھول جائیگا۔ اچھا تم یوں کیوں نہ کرو۔
کہ اُس سے کہہ دو کہ وہ مر گئی ہے"۔

Taj Tamir Foundation

بھانجی ’’ اے خالہ بی - خُدا کے لئے کہیں یہ ہی اُن سے نہ کہہ بیٹھنا
انہیں سخت رنج ہوگا - نہ معلوم کیا کر بیٹھیں - اگر کچھ نہ بھی کیا - تو صحت
پر اس کا بہت مضر اثر پڑیگا ‘‘ +
افسر دُلھن ’’ خُدا غارت کرے اُس نامراد کو میرے بچے کو دیوانہ کر گئی +
اچھا تو یہ کہنے میں تو مضائقہ نہیں - کہ اُس نے کسی اور سے شادی کر لی ‘‘ +
بھانجی ’’ اے نہیں یہ بھی نہیں کہنا چاہئے اول تو انہیں اس کا
سخت صدمہ ہوگا - اور دوسرے یقین بھی نہ کرینگے - وہ تو کہتے ہیں - صرف
دس ماہ کے عرصے سے اُس کا خط جانا بند ہوا ہے - اس سے قبل وہ سب
حالات انہیں لکھتی رہتی تھی - اور اس نے اپنے سب خواستگاروں کو
یہ جواب دے دیا تھا - کہ میرا منگیتر انجینئری کے لئے انگلستان گیا ہوا ہے ‘‘ +
افسر دُلھن ’’ خدا نہ کرے - جو میرا ظفر اُس کا منگیتر ہو - اچھا تو عقلمند
بیوی پھر تم ہی بتاؤ - کہ اب کیا کیا جائے ؟ میں تو چاہتی تھی - نواب
کیوان قدر کی لڑکی سے جلدی شادی کر دوں - اسے دیکھو تو کس بلا کی حسین ہے ‘‘
بھانجی ’’ خالہ جان یہ آپ اطمینان رکھیں - بھائی ظفر کسی کے انتخاب
سے شادی نہ کرینگے - نواب کی لڑکی حسین سہی - عالی خاندان سہی - امیر سہی -
مگر آخر جاہل ہے ‘‘ +

یہاں تو یہ گفتگو ہے - لیکن ظفر کیا کر رہا ہے ؟

وہ اس وقت اپنے بیڈروم کے آگے چھوٹے برآمدے میں ایک
آرام کرسی پر دراز ہے - اخبار ہاتھ میں ہے - نظریں چھت پر اور خیال
نہ معلوم کہاں آوارہ ہے - کہ پہلو کے کمرے سے ایک نوجوان برآمد ہوا -

اور اس کا شانہ ہلا کر کہا :۔

ظفر تم یہاں چھپے بیٹھے ہو۔ دیکھو تو تمہارے اشتیاق میں کون کون جمع ہیں۔ ہر طرف تلاش ہو رہی ہے۔ ارے بھئی اس قدر افسردہ تو نہ ہو"۔

ظفر "بھئی خدا کے لئے مجھے سب سے بچا لو۔ میں پکڑا گیا تو وہ گھنٹوں میرا پیچھا نہ چھوڑینگے۔ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ کہہ دو زنان خانے میں ہے"۔

دوست۔ نہیں بھائی یہ مناسب نہیں۔ اس ہر وقت کے رنج سے تمہاری صحت بھی بگڑ جائیگی۔ لوگوں سے ملو۔ گھڑی دو گھڑی ہنسی مذاق میں بھی گزارو۔ اپنے اوپر نہیں تو ہمیں پر رحم کرو"۔

ظفر "آہ صفدر اب صحت زندگی کس کام کی۔ جس امید پر پانچ سال محنت کی۔ اور جس کے اشتیاق میں یہ عرصہ دن گن گن کر گزرا۔ جب وہی نہیں۔ تو پھر اب زندگی کیا۔ اب میں بالکل مایوس ہوں"۔

صفدر۔ میں جو کہتا ہوں۔ ابھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم تلاش کرینگے۔ ان کے دادا بمبئی ہی میں تھے نا"۔

ظفر "دادا اب کہاں۔ کل شام سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب کا خط ملا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ان بزرگوار کا انتقال ہو گیا ہے۔ لڑکی کا حال اُن کو بھی معلوم نہیں۔ اس کے والدین جاپان تجارت کرتے ہیں۔ مجھے ان کے پتے کا بھی علم نہیں"۔

صفدر۔ مگر فیروزہ یہیں دیرہ دون میں رہتی ہیں۔ اس کا ایک چھوٹا بھائی بھی تو تھا۔ جو مسوری پڑھتا تھا۔ میں کل ہی مسوری جا کر اسکول میں دریافت کرونگا۔ لو بس اب اٹھو غسل کرو۔ آدمی بنو۔ کسی سے ملتے نہیں۔

تو سویرہی کو چلیں + ہاں خوب یاد آیا۔ آج تمہیں ایک جنگل کی ایسی
پری دکھائینگے۔ کہ فیروزہ کو بھی بھول جاؤ" +

ظفر۔ صفدر اب تم بھی ہمارا مذاق اُڑانے لگے۔ تم سے یہ اُمید نہ تھی" +

صفدر۔ نہیں بھائی مذاق نہیں۔ سچ کہتا ہوں۔ میں نے ایک نظری
دیکھا تھا۔ ایسی حسین و جمیل تھی۔ کہ مجھے تو شک گزرا۔ کہ انسان ہے یا
پری + کل شام میں اور ابا جان جو آپ کی طرف سے نذریں چڑھانے
اُس جنگل والی خانقاہ پر گئے۔ تو وہاں قریب ہی ایک جھونپڑے میں ابا
جان اپنے کسی سادھو دوست سے ملنے کے لئے اُتر گئے۔ معلوم ہوا۔ کہ
سادھو مر چکا ہے اور اس ویران جھونپڑی کو اسی حور تمثال حسینہ نے آباد کر
رکھا ہے + اباجان کے خوف سے میں اُس کے متعلق کچھ زیادہ دریافت نہ
کرسکا۔ مگر بھائی بالکل تمہاری فیروزہ کی بہن معلوم ہوتی تھی۔ چلو موٹر پر چلتے
ہیں۔ کوئی ہو اس کا حال معلوم کرینگے۔ ذرا تفریح ہی سہی۔ لو اٹھو" +

ظفر مُنہ تو صفدر کی طرف کئے ہوئے تھا۔ مگر خیال اپنی ہی اُلجھنوں
میں پھنسا ہوا تھا۔ صفدر نے اُٹھو کہا۔ تو چونکا۔ اور آہستہ سے کہا "اچھا"
مگر یہ کہہ کر پھر ایک گہری سوچ میں پڑ گیا۔ صفدر کا دل اس کا مایوس چہرہ
دیکھ کر افسردہ ہو رہا تھا۔ وہ پھر اُٹھنے پر اصرار کرنے کو تھا۔ کہ ظفر خود ہی بولا۔
"میرا خیال ہے۔ اگر وہ زندہ ہے۔ تو جاپان میں ہے" +

صفدر۔ آپ ایک ہفتہ بمبئی ٹھیرے اور کچھ پتہ نہ لگایا" +

ظفر۔ "مجھے اطمینان تھا۔ کہ وہ یہاں دیرہ دون میں ہوگی۔ اور کچھ خیال
یہ بھی تھا کہ شائد جاپان چلی گئی ہو۔ بہر حال کچھ معلوم کیا بھی۔ مگر کچھ خبر نہ
ملی۔ اب جو یہاں تلاش کرنے میں بھی مایوسی ہوئی اور کہیں سے اطلاع

Taj Tahir Foundation

نہ ملی۔ تو خیال آیا۔ کہ عبدالرحمٰن اور فیروزہ کے دادا صاحب سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اُن سے دریافت کروں۔ اُن کو خط لکھا۔ تو اس کا جواب یہ ملا۔ کہ فیروزہ کے دادا انتقال کر گئے ہیں۔ انہیں کے پاس ہندوستان ہیں یہ دونو بہن بھائی پڑھتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو والدین نے جاپان بلالیا ہو گا۔ مگر یہ بدنصیبی میری کہ اس سے کبھی جاپان کا پتہ بھی دریافت نہ کیا"+

صفدر نے ظفر کے مایوسانہ خیالات کو بہلانے کے لئے کہا "اس بھائی کے علاوہ اس کے کوئی اور بہن بھائی بھی تھے"؟

ظفر "ہاں ایک بہن ماں باپ کے پاس جاپان تھی۔ اور یہ دونوں بہن بھائی دادا کے پاس بمبئی رہتے تھے + آہ صفدر! محض میری محبت کی وجہ سے اس نے بمبئی چھوڑ کر یہاں رہنا اختیار کر لیا تھا۔ دادا سے بصد ہو کر بھائی کو مسوری اسکول میں داخل کیا۔ اور خود یہاں ڈیرہ دون میں رہنے لگی + اُف کیسی محبت تھی۔ کیا ہو گیا؟" یہ کہتے ہوئے ظفر کی آنکھوں میں گرم گرم آنسو اُبل آئے۔ وہ کرسی سے اُٹھ کر مضطربانہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اور آخر برابر کے ایک ستون کے سہارے ہچکیاں لے لے کر رونے لگا + صفدر کا دل بھی بھر آیا۔ وہ وفورِ غم سے کانپتی ہوئی آواز میں اسے تسلی دینے لگا۔ جب ظفر دل کا بوجھ آنسوؤں سے نکال چکا۔ تو صفدر نے زبردستی اس کا مُنہ دُھلایا۔ اور کپڑے پہنائے۔ اور موٹر تیار کرا کے دونوں اس شہر سے باہر والی خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے +

ناکام مِلاپ

موٹر گرد و غبار کے بادل اُڑاتا ہوا سڑک سے خانقاہ کی جانب مڑا۔ مگر بجائے خانقاہ میں داخل ہونے کے اسی سیاہ پتھر کی جھونپڑی پر آ ٹھیرا۔ جھونپڑی کے سامنے چھوٹے سے برآمدے پر چند خشک اور اُجڑی ہوئی بیلیں چڑھی تھیں۔ چند گملے اِدھر اُدھر پڑے تھے۔ جن کے پودے جھونپڑی کے مکین کی طرح مرجھائے ہوئے تھے۔

موٹر رُک کر صفدر اُترا۔ ظفر سے بھی اُترنے کو کہا۔ مگر اس کے غم کی سستی نے اُسے اُترنے نہ دیا۔ صفدر بے تکلف برآمدے میں ہوتا ہوا اندر والی کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچا۔ مگر ٹھٹک گیا۔ کواڑ بند تھے۔ آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔ تو وہی سیاہ پوش غمگین حسینہ دروازے کے قریب آئی اور پوچھا:۔

"کون ہے کیا کام ہے؟ کیا میری یہاں کی تنہائی بھی دُنیا والوں کو دوبھر ہو گئی؟"

صفدر نے حیران ہو کر ادب سے کہا۔ "ہمیں آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ میرے ساتھ میرے بھائی بھی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ہم یہاں ذرا سی دیر ٹھیر جائیں؟" سیاہ پوش نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو نوجوان نے خاموشی توڑنے کو موٹر کی طرف مُنہ پھیر کر کہا۔ "بھائی ظفر آ جائیے"۔

سیاہ پوش لڑکی:۔ "ظفر! کون ظفر؟ یہ نام تو میں جانتی ہوں۔ مگر نہیں۔ وہ کہاں! اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اس نے سر جھکا لیا۔ مگر ذرا سی

Taj Tahir Foundation

دیر بعد دل سنبھال کر کہا۔" اچھا کوئی نیک کام ہے۔ تو آجایئے" +

صفدر کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ بولا:۔

" آپ کسی ظفر کو جانتی ہیں۔ کیا وہی ظفر تو نہیں۔ جو اب پانچ سال کے بعد تعلیم حاصل کر کے انگلستان سے واپس آئے" +

سیاہ پوش کا چہرہ صبح کے پھولوں کی طرح کھل گیا۔ مگر فوراً کسی خیال کے آتے ہی مُرجھا گیا۔ اور وہ بے تابی سے بولی" ہاں ہاں وہی ظفر۔ تو کیا وہ واپس آگئے ہیں تُم نے سچ کہا۔ بہت ہی اچھا ہُوا۔ وہ آگئے۔ اب مَیں بامرادِ دُنیا سے اُٹھوں گی۔ کیونکہ مَیں اب جلدی ہی اپنے پیارے کے پاس جانے والی ہُوں۔ خُدا کا شکر ہے۔ کہ ظفر سے ملاقات ہوگئی" یہ کہہ کر وہ ظفر ظفر چلاتی ہوئی دیوانہ وار کوٹھڑی سے باہر نکل آئی +

یہ الفاظ ظفر نے موٹر پر سُن لئے۔ اس آواز کو سُن کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُسے ایسا معلوم ہُوا کہ دل کی حرکت بند ہوگئی ہے۔ اور وہ بیہوش ہُوا چاہتا ہے۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور موٹر سے کُود کر پاگلوں کی طرح جھونپڑی کی طرف دوڑا۔ دونوں ایک ہی وقت اس برآمدے میں پہنچے۔ اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹک گئے اور دو پتھر کی مُورتوں کی طرح ساکت رہ گئے۔ صفدر ڈرا۔ کہ انہیں کیا ہوگیا۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کے قدم خود بخود اُٹھنے لگے۔ مگر ان کی صورت سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کو خود بخود معلوم نہیں کہ وہ کیا حرکت کر رہے ہیں۔ ایک محویّت کے عالم میں وہ ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے۔ اور ہلکی سی چیخ کے ساتھ دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں تھے۔ اور بھُول گئے تھے۔ کہ وہ کہاں ہیں۔ یہ مؤثر نظارہ دیکھ کر صفدر کا دل بھر

آیا۔ اس نے رومال نکال کر اپنے آنسو پونچھے۔ اور بھائی ظفر کہہ کر ان کو گویا موت کی نیند سے چونکا دیا۔ اس نے دونوں کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آہستہ آہستہ کوٹھری میں لے گیا۔ مگر وفورِ جذبات سے دونوں کی زبان بند تھی۔ صفدر نے باہر آکر موٹر کو دُور ایک درخت کے نیچے کھڑا کرنے کو کہا۔ اور خود برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ کیونکہ وہ اپنے میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا۔ کہ اس دل خراش سنجوگ کے نظارے کو دیکھے ✢

ابھی تک دونوں خاموش تھے۔ سیاہ پوش کی آنکھوں میں آنسو اُبل آئے۔ وہ ظفر کے سینے پر سر رکھ اس قدر روئی۔ کہ بے ہوش ہوگئی۔ اور خود فراموش ظفر کے ہاتھوں میں سے نکل کر زمین پر گر گئی ✢

ظفر اب تک بھولا ہوا تھا۔ کہ وہ کہاں ہے۔ اور یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اسے ایک خواب کی کیفیت سمجھ رہا تھا لیکن جوں ہی سیاہ پوش زمین پر گری۔ اس کو چوٹ لگنے کے خیال نے اس کے دل میں چٹکی لے کر اسے چونکا دیا۔ اس نے جلدی سے زمین پر بیٹھ کر اُس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور صفدر کو آواز دی۔ صفدر نے آکر سیاہ پوش کو بے ہوش دیکھا۔ تو ایک برتن اُٹھا بھاگا ہوا چشمے پر گیا۔ اور پانی لا کر اس کے مُنہ پر چھینٹے دیئے۔ اپنا معطر رومال اُسے سنگھایا۔ جب اس کو ذرا ہوش آیا۔ تو وہ اپنی نیم وا آنکھیں ظفر کے چہرے پر جمائے ہوئے تھی۔ وہ آہستہ سے بولی "وہ خواب تھا۔ یا ابھی تک مَیں خواب دیکھ رہی ہُوں" ظفر کی زبان اب تک بند تھی۔ آخر صفدر نے انہیں اُٹھا کر مونڈھوں پر بٹھا دیا۔ اور اب تینوں بالکل خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھ رہے ✢

یہ کوٹھری چونکہ سلیقہ شعار جوگن کے رہنے کی جگہ تھی۔ اس لئے تمام

Taj Tahir Foundation

سامان قرینے سے لگا تھا۔ ایک طرف زمین پر بستر بچھا ہوا تھا۔ دوسری طرف تین چار مونڈھے رکھے ہوئے تھے۔ ایک لوہے کی چھوٹی میز پر ایک سیاہ رومال چند کتابیں اور کچھ تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک بانس کی الماری پر تین چار مٹی کے برتن۔ رکابی۔ پیالے وغیرہ چُنے ہوئے تھے + جھونپڑی کی پُشت کی طرف جہاں سے چند گز کے فاصلے پر پہاڑی تھی۔ تین کھڑکیاں کُھلی تھیں۔ جن میں سے کوہستانی ہوا کے تازے جھونکے آ رہے تھے + کچھ دیر اس کوٹھری میں بلا کی خاموشی طاری رہی۔ صرف متحرک ہوا تھی۔ جو دریچوں سے داخل ہو کر اس غمزدہ لڑکی کی روشن پیشانی پر سیاہ بالوں کو بکھیر رہی تھی۔ ظفر ایک بحرِ تحیّر میں غرق تھا۔ اس کے دماغ میں کوئی خیال نہ تھا۔ اور اس کی محویت کی یہ حالت تھی۔ کہ وہ یہ بھی بھول گیا تھا۔ کہ وہ کس کے مکان میں اور کس کے سامنے بیٹھا ہُوا ہے + اس کی آنکھیں بھی نہ جھپک رہی تھیں۔ بلکہ زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ صفدر اس کی اس حالت کو پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔ اور اس سکوت دل خراش کو توڑنے کا خواہشمند تھا۔ آخر اس نے ہمّت کر کے گفتگو شروع کر دی۔ اور ظفر کی طرف دیکھ کر بولا:۔

صفدر:۔ بھائی اب اس وقت بھی رنجیدہ ہو۔ خدا کا شکر بجا لاؤ کہ بالکل نا امیدی میں اللہ نے یہ خوشی کا موقعہ دیا + اور پھر سیاہ پوش لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا:۔ "میں پہلے خُدا کا اور پھر آپ کا شُکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ ہمیں اس وقت ایک سخت اُلجھن سے نجات ملی۔ آپ کی بہت مہربانی ہے۔ کہ آپ نے مجھے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ورنہ خُدا جانے ابھی کتنی صعُوبات اُٹھانی پڑتیں۔ میرا ارادہ تو عنقریب جاپان جانے کا

تھا۔ کیونکہ آپ کا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بھائی جان کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ بیماروں کی طرح پڑے تھے"۔

لڑکی کا چہرہ اب بہت متین اور سنجیدہ تھا۔ اس نے کسی قدر بے پروائی سے کہا "ہاں خدا کا شکر ہے۔ کہ اُس نے زندگی میں پھر ایک بار ظفر کو دکھا دیا۔ ورنہ میں تو صبر کر چکی تھی"۔ لڑکی کی آواز کانپنے لگی۔ جب اس نے کہا "مجھ پر جو کچھ گزر چکا ہے۔ اس کے سامنے کوئی غم بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا"۔

لڑکی کی باتوں سے ظفر کے دماغ میں خیالات کی ایسی ہلچل مچ گئی۔ جیسے آفتاب طلوع ہونے پر خاموش دُنیا میں ایک ہنگامہ مچ جاتا ہے۔ اس میں بولنے کی قوت پیدا ہو گئی۔ اور آخر بولا :-

"فیروزہ پیاری۔ دراصل اگر تُم میری فیروزہ پیاری ہو اور یہ خواب نہیں جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ تو للہ سب سے پہلے مجھے اپنے حالات بتاؤ۔ تُم نے مُجھ سے خط و کتابت کیوں بند کر لی تھی۔ اور آج میں یہ کیا نقشہ دیکھ رہا ہوں۔ تم کس حالت میں ہو۔ بستی سے کوسوں دور یوں ویرانے میں کیوں آ پڑی ہو؟ وہ اپنی راجپور روڈ والی کوٹھی کیوں چھوڑ دی؟ تمہارا بھائی کہاں ہے؟"

ظفر کے سب سوالات کو اُس نے خاموشی سے سُنا۔ مگر اس کے آخری الفاظ سے فیروزہ کی بے اختیار چیخ نکل گئی۔ اور وہ پھر بے ہوش ہو کر گر گئی۔ صفدر بے چارے کو پھر پانی لانا پڑا۔ اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنی پڑیں۔ مگر جب وہ ہوش میں آئی۔ تو کچھ سنبھلی۔ اور خاموشی سے اُٹھی۔ میز پر ایک رومال میں لپٹی ہوئی کوئی تصویر رکھی تھی۔ وہ تصویر ظفر کے ہاتھ میں دے کر کہا :-

Taj Tahir Foundation

"ظفر لو اسے دیکھو۔ میں لٹ گئی۔ میں برباد ہوگئی ہوں۔ ظفر پیارے دیکھو۔ میرا جان سے عزیز فیروز جعفری کس صورت میں ہے"

ظفر نے دیکھا۔ کہ وہ اس کے نوجوان اور خوبصورت بھائی فیروز کی لاش کی تصویر تھی۔ جو آنکھیں بند کئے چارپائی پر پڑا تھا۔ اور فیروزہ اس کے مُردہ جسم سے لپٹی ہوئی تھی۔ ظفر سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اس تصویر کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ صفدر نے دونوں کو سنبھالا تسلّی دی۔ تو ظفر نے بمشکل ہچکیاں لے لے کر فیروزہ سے دریافت کیا:۔

ظفر:۔"آہ بدقسمت فیروزہ۔ یہ سانحہ کب گزرا؟ کیا اس کی قبر اسی خانقاہ میں ہے۔ جو تم یہاں آپڑی ہو؟"

فیروزہ:۔"قبر کیسی۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ میرا فیروز مر گیا؟ نہیں میرا چاند زندہ ہے۔ وہ کہیں غائب ہوگیا ہے۔ وہ ضرور کسی روز میرے پاس واپس آئیگا۔ ہائے ظفر تمہیں علم ہے۔ میرے ضعیف دادا کا انتقال ہو گیا۔"

ظفر:۔"ہاں اس کی خبر مجھے مل چکی ہے۔ مگر تم جاپان کیوں نہ چلی گئیں؟"

فیروزہ۔ جاپان جا کر کیا کرونگی۔ میں اپنے فیروز کے آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس کی جدائی سے میرے حواس بجا نہیں ہیں۔ دادا جان بھی اس کے چلے جانے کے رنج میں دل کی حرکت بند ہونے سے مر گئے۔ مگر آخری وقت مجھے سمجھاتے رہے۔ کہ غم نہ کرو۔ فیروز زندہ ہے۔ وہ عنقریب تمہارے پاس آجائیگا۔ بس میں اس کے انتظار میں کئی ماہ سے اس ویرانے میں پڑی ہوں۔ مگر اب تو اس کی راہ دیکھتے دیکھتے تھک گئی ہوں۔ اور مجھے کچھ ایسا یقین ہو چلا ہے۔ کہ وہ مر گیا ہے۔ اب میرا بھی یہی ارادہ ہے کہ بہت جلدی اس سے جا ملوں"

ظفر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "اور فیروزہ مجھے یہیں چھوڑ جاؤ گی"؟

فیروزہ کے چہرے پر ایک مُردہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ آہستہ سے بولی :-

"ظفر یہ سب دھندے خوش دلی اور زندگی کے ساتھ ہیں۔ اس جسم میں اب جان نہیں رہی۔ اب جاؤ کسی اور خوش و خرم اور زندہ دل لڑکی کو چاہو۔ اس بدنصیب کو بھول جاؤ۔ اور زندگی کے دن پورے کرنے کے لئے چھوڑ دو"۔

صفدر ڈرا کہ کہیں ان باتوں سے ظفر کی حالت نہ بگڑے۔ اور اس نے قطع کلام کر کے کہا "ہاں مس جعفر جی ابھی آپ فرماتی تھیں۔ کہ وہ مرحوم کہیں چلا گیا ہے۔ اور آپ کو اُس کی موت کا یقین نہیں تو پھر یہ تصویر کس کی ہے"؟

فیروزہ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "کیا کہوں میں اس یقین کو پختہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کہ وہ مر گیا ہے۔ میں اپنے بھولے دل کو فریب دیتی رہی۔ مگر اب مایوسی کی حد ہو چکی۔ سنو میں تمہیں شروع سے یہ حال سناتی ہوں مجھے ایک روز اچانک ہیڈ ماسٹر صاحب کا تار ملا۔ کہ تم فوراً مسوری آؤ۔ فیرد کو پلیگ ہو گیا۔ میں نے اسی وقت ایک تار دادا جان کو دیا۔ اور خود گھبرائی ہوئی مسوری پہنچی۔ چوتھے دن دادا جان بھی مسوری پہنچ گئے۔ حملہ معمولی تھا۔ اور بخار ہلکا۔ ڈاکٹر اُمید دلاتا تھا۔ مگر دفعتاً ایک روز اس کی حالت بدل گئی۔ اور یہ صورت ہو گئی۔ جس کی یہ تصویر ہے۔ ہیڈ ماسٹر کے لڑکے نے جو اُس کا دوست تھا۔ یہ فوٹو

لے لیا۔ بس اس قدر مجھے یاد ہے + وہ بے چین تھا۔ تڑپ رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ مجھے دیکھ رہا تھا۔ مَیں اس کی تکلیف سے بے چین ہو کر اس سے لپٹی جاتی تھی۔ کہ یک دم وہ خاموش اور ساکت ہو گیا۔ اور مَیں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ پھر مجھے خبر نہیں کہ کس وقت مجھ سے علیحدہ کیا گیا۔ اور کہاں بھیج دیا گیا۔ جب مجھے ہوش آیا۔ تو دوسرے دن کی صبح ہو چلی تھی۔ اور مَیں مسوری میں اپنی دوست مس سٹیلی کی کوٹھی پر بیمار پڑی تھی۔ دادا جان بھی وہیں موجود تھے۔ اُنہوں نے بتایا۔ کہ فیروز اچھا ہے۔ مگر علاج کے لئے اُسے ایک سینی ٹوریم میں بھیج دیا گیا ہے۔ مگر اسی ہفتے میں دادا جان کا انتقال ہو گیا۔ جاپان اس حادثے کی خبر دی گئی۔ پاپا نے مجھے بُلایا۔ اپنا ایک ایجنٹ بھیجا۔ مگر مَیں نہ گئی۔ کیونکہ مجھے تو اپنے پیارے کا انتظار تھا۔ مَیں نے اسے مسوری کے تمام ہسپتالوں میں تلاش کیا۔ مگر وہ نہ ملا پھر میں بمبئی گئی۔ وہاں اس کو ڈھونڈا جب وہاں بھی نہ ملا۔ تو مَیں نے ڈیرہ دون آ کر اپنی کوٹھی اور سامان مس سٹیلی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور تمام روپیہ اس کی گمشدگی کی یادگار میں ایک یتیم خانے کو دے دیا۔ اور اب خود اس سنسان تنہائی میں اس جھونپڑی کو آ بسایا +

صفدر" حقیقت میں آپ کی داستان نہایت دل خراش ہے۔ خُدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اب تو آپ یہی سمجھیں۔ کہ آپ کا پیارا اس دار ناپائدار سے اُٹھ گیا۔ اور اس کی پاک و معصوم روح کو اب راحت دارین حاصل ہے" +

ظفر" فیروزہ چلو کچھ دن کے لئے جاپان چلے چلیں۔ مَیں تمہارے

والدین اور بہن سے بھی مل لوں۔ اور کچھ تمہارا غم بھی غلط ہو گا۔"

فیروزہ:۔ "آہ ظفر کیا کہتے ہو۔ یہ غم غلط کرنے کے لئے نہیں ہے میرا فیروز نہیں تو اب اُس کا غم میری برباد زندگی کا سرمایہ ہے۔ اور اسی سے مجھے گونہ راحت ملتی ہے۔ اسی طرح جب تم انگلینڈ تھے۔ تو جوں جوں مَیں تمہاری جُدائی کی تکلیف سے بے چین و بے قرار ہوتی تھی۔ بجائے دل بہلانے کے اور اور مشاغل میں مصروف ہونے کے تنہا بیٹھ کر تمہیں یاد کر کے رویا کرتی تھی۔ اور اس طرزِ عمل سے مجھے بے انتہا راحت ملتی تھی۔ تمہاری یاد میں رونا میرے لئے اتنا ہی اطمینان بخش تھا جتنا تم سے ملنا۔"

ظفر:۔ "تو اب تو مَیں حاضر ہو گیا ہوں۔ مجھے اجازت دو کہ تمہارا دل بہلاؤں۔ آہ فیروزہ تمہاری یہ حالت دیکھ کر میرا دل پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ مَیں تم جیسی خوش دل راحت نصیب امیرزادی حسینہ کو یہ کس حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ اپنے اوپر نہیں تو ظفر پر رحم کرو۔"

فیروزہ کے چہرے پر ایک مُردہ تبسم ظاہر ہوا۔ وہ بولی "او ظفر وہ باتیں کہاں اور یہ بدنصیب کہاں۔ وہ زندگی تو خواب معلوم ہوتی ہے۔ فیروز رہتا۔ تو ظفر کی رفاقت کا بھی لطف تھا۔ مگر اب تو اس کمزور جسم میں جان ہی نہیں رہی۔ مَیں پھر تمہیں سمجھاتی ہوں۔ اور خوشی سے تم کو اجازت دیتی ہوں۔ کہ جاؤ کسی اور سے شادی کر لو۔"

ظفر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ فیروزہ۔ اب مجھ میں کوئی صدمہ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے"

بھائی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سعدہ کا دل بھر آیا۔ اس نے

Taj Tahir Foundation

بھائی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بھائی گھبراؤ نہیں رفتہ رفتہ خود بخود صبر آجائیگا۔ فی الحال ان کو اس ویرانے سے لے چلنا چاہیئے۔ اپنی کوٹھی میں لے جانا تو مناسب نہیں۔ البتہ کسی ہوٹل میں ٹھیرا دیا جائے" ظفر نے رومال سے آنسو پونچھے اور آواز سنبھال کر کہا۔ فیروزہ میرے بھائی کی درخواست سن رہی ہو۔ میرے ساتھ شہر چلو گی؟"

فیروزہ نے کسی قدر بے پروائی سے کہا "آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھ کو بھلا شہروں سے کیا تعلق۔ میرا پیارا فیروز خدا جانے کس ویرانے میں تنہا پڑا ہے۔ وہ اُجاڑ بیابانوں میں ہو۔ اور میں عالیشان مکانوں میں یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟" وہ کچھ دیر خاموش رہ کر خوشی سے بولی۔ "اور مجھے تو پختہ یقین ہے۔ کہ وہ آج ہی رات کو مجھے اپنے پاس بلالیگا۔ اچھا اب میری عبادت کا وقت قریب ہے۔ آپ لوگ رخصت ہوں تو میں اُٹھوں"

ظفر نے آہستہ سے صفدر سے کہا۔ "اب کہو میں کیا کروں۔ اور تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے میں خود بھی یہیں آرہنے کو تیار ہوں۔ اس سے میرا دل لرزنے لگتا ہے۔ خدا جانے اُنہوں نے کیا سوچ رکھا ہے" جب صفدر نے کوئی مفید رائے دینے کی بجائے خاموشی اختیار کی۔ تو اس نے اپنا مایوس چہرہ فیروزہ کی طرف اُٹھایا۔ اور کہا "فیروزہ تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر میں ہرگز نہ جاؤں گا۔ اگر تم چلنے کو تیار نہیں ہو۔ تو پھر مجھ کو بھی یہیں ٹھیرنے دو۔ میری مصائب سے پُر اور قابل رحم حالت پر رحم کرو۔ اور میری التجا منظور"

Taj Tahir Foundation

فیروزہ ظفر کے اس اصرار پر بگڑ گئی - اور اس نے خشمگین ہو کر کہا۔
"مسٹر ظفر میں نہیں سمجھ سکتی - کہ آپ کا مجھ سے ایسا کیا تعلق ہے؟ آپ
کا مجھ پر کسی طرح کا حق نہیں - صرف دوستی محبت تھی - وہ تمام ہو چکی" +

یہ کہہ کر فیروزہ نے منہ پھیر لیا - اور ظفر فیروزہ کی اس سختی سے
رومال میں منہ چھپا کر ننھے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا +

صفدر حیران تھا - کہ کیا کرے - اس میں خود اپنے آنسو روکنے
کی طاقت نہ تھی - آخر وہ سنبھلا اور اس نے ظفر کے کان میں کہا - غم
والم سے اس وقت فیروزہ کے حواس بجا نہیں ہیں - اس وقت
تم اٹھو - پھر کسی وقت آ کر سمجھا بجھا لیں گے + مگر ظفر کے قدم نہ
اٹھتے تھے - اس سے وہاں سے ہلا نہ جاتا تھا - اس نے اپنی دل و جان
کی مالک کو پانچ سال کی طویل جدائی کے بعد آج دیکھا تھا - اور اسے
خوف تھا - کہ رات کو وہ کہیں خودکشی نہ کر لے +

ظفر کو وہ اس طرح خاموش بیٹھا دیکھ کر غصے میں بھری ہوئی کھڑی
ہو گئی - اس کے زرد رخسار جوش سے سرخ ہو گئے تھے - اور اس کا
بدن کانپ رہا تھا - جب اس نے ظفر کا شانہ ہلا کر جھلاتے ہوئے کہا -
"ظفر صاحب بس میں اب اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتی - آپ اٹھئے!"
اب کوئی چارہ نہ تھا - ظفر نے ایک عاجزانہ نگاہ سے فیروزہ کو دیکھا -
لیکن اسے اسی طرح مصر پا کر مجبور قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے نکل آیا -
اور خانقاہ کے احاطے میں ٹہلنے لگا - ظفر کے آنسو اب تک جاری
تھے - اور صفدر اس کے سنبھالنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا +
"کچھ دیر بعد ظفر نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "میں اب گھر نہیں جاؤنگا" +

Taj Tahir Foundation

صفدر۔ "آپ کی اس یکایک غیرحاضری سے گھر والے بگڑ جائینگے۔ سچ تو یہ ہے۔ وہ بھی آپ کو اسی قدر چاہتے ہیں۔ جس قدر آپ فیروزہ کو"

ظفر نے روکھی سی آواز میں کہا۔ "مجھے اب کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم جاؤ اور اُن سے تمام ماجرا سچ سچ بیان کردو۔ اور کہہ دو۔ کہ وہ فیروزہ کی خودکشی کے خوف سے وہاں ٹھیر گیا ہے مجھے کسی کی ناراضی کی پروا نہیں۔ ان لوگوں کی رائے پر مجھے شادی نہیں کرنی۔ اور آخر ایک دن یہی ہونا ہے"

صفدر "مگر اس جنگل میں آپ کو تنہا کون چھوڑیگا۔ ابھی اماں جان اور ابا جان خود پہنچینگے۔ اور آپ کو زبردستی لے جائیں گے"

ظفر نے صفدر کے چہرے پر آنکھیں گاڑ کر کہا۔ "تو فیروزہ کو مر جانے دوں؟" ظفر نے سر جھکالیا۔ صفدر حیران کھڑا تھا۔ کہ کیا کرے۔ کہ ظفر نے پھر سر اُٹھایا اور فیصلہ کُن آواز میں کہا۔ "اچھا تو چلو۔ کل کو میں بھی نہ ہونگا" یہ سن کر صفدر ظفر کو لے جانے سے مایوس ہوگیا۔ اس نے ظفر کو تسلّی دی اور جیب سے پاکٹ بک اور پنسل نکال کر ایک رقعہ لکھا۔ اور شوفر سے کہا۔ کہ "یہ رقعہ گھر میں پہنچادو۔ اور ہمارے لئے کھانا۔ دو بستر اور ایک خدمت گار کو لے کر اسی موٹر پر واپس آجاؤ"

رقعہ دے کر صفدر مجاور کے پاس گیا۔ اسے کچھ دے دلا کر ایک کوٹھڑی خالی کرائی۔ اور اُسے صاف کروا اُس میں دو پلنگ بچھوا دیئے۔ کورے گھڑوں میں چشمہ سے پانی منگوایا۔ اور سب انتظام کرنے کے بعد ظفر کو اندر لے جا کر بٹھایا۔ اور ظفر کا دل بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔

Taj Tahir Foundation

یہ وہی ظفر ہیں۔ جو کل منّت چڑھانے یہاں تک نہ آئے تھے۔ اور آج جوگن کے لئے خود بھی بیراگ لے بیٹھے ہیں ؛

اجازت

شام کے سات بجے ہونگے۔ کہ شوفر نے گھر پہنچ کر رقعہ اندر بھیجا + گھر میں ڈومنیاں موجود تھیں۔ گانا بجانا ہو رہا تھا سب بیگمات نہایت خوش خوش بیٹھی تھیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک بی بی نے کہا "اے میاں ظفر کو تو بلاؤ۔ ان سے کیا کسی کو پردہ ہے"۔

افسر دُلہن نے بھانجی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اپنے بھائی کو بُلوا لو"۔

اتنے ہی میں خادمہ آئی۔ اور اس نے وہ رقعہ لاکر افسر دُلہن کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا "یہ خط شوفر نے دیا ہے اور کہا ہے۔ کہ بہت جلدی اس کی تکمیل کر دیجئے"۔

افسر دُلہن نے خط بھانجی کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔ "لو پڑھو تو یہ خط کیسا ہے"!

بھانجی (جن کو آیندہ نزہت آرا لکھا جائیگا) نے خط کی تحریر پہچان کر دل ہی دل میں پڑھنا شروع کر دیا۔ رقعہ پڑھتی جاتی تھیں۔ اور چہرے سے کچھ پریشانی ظاہر ہوتی جاتی تھی۔ افسر دلہن کے اصرار پر اس نے یُوں پڑھنا شروع کیا :۔

از خانقاہ حضرت کریم شاہ

عزیزہ نزہت۔ تم کو اور سب کو ضرور تعجب ہو گا۔ کہ یہ رقعہ کیسا اور میں اسے کہاں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ مگر سنو میں تمہیں کسی قدر خوشی سے یہ اطلاع دیتا ہوں۔ کہ اب ہمارے ظفر کی پریشانی دور ہوتی نظر آتی ہے۔ آج سہ پہر کو ہم ہوا خوری کرتے ہوئے ادھر آنکلے میں نے تم سے کل ابا جان کے ہمراہ یہاں آنے اور ایک سیاہ پوش با ہوش لڑکی سے ملنے کا ذکر کیا تھا۔ خوش قسمتی سے وہ غمزدہ لڑکی ظفر کی منسوبہ فیروزہ جعفر جی نکلی۔ مگر سخت رنجیدہ ہے۔ اس کے اکلوتے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔ جس رنج و غم میں وہ سب کو چھوڑ کر یہاں ایک جھونپڑی میں آپڑی ہے گو ظفر سے مل کر اسے خوشی ہوئی۔ لیکن اب وہ ظفر کے ہمراہ زندگی گزارنا پسند نہیں کرتی۔ اور اس کا ارادہ ہے۔ کہ آج رات ہی یہاں سے رخصت ہو جائے۔ اس وجہ سے ظفر آج رات یہیں رہنا چاہتے ہیں۔ کہ فیروزہ کو کہیں جانے سے روکیں۔ اور بھائی کی تنہائی کی وجہ سے میں بھی یہیں ٹھیر گیا ہوں +

تم فوراً ہمارے لئے کھانا اور دو بستر میرے بیرا احمد کے ہاتھ اس موٹر پر بھیج دو۔ اور یہ رقعہ گھر میں والدہ صاحبہ اور چچی صاحبہ کو سنا کر باہر چچا جان اور ابا جان کی خدمت میں بھی بھیج دو۔ اور دعا کرو۔ کہ خدا فیروزہ کو صبر دے اور وہ بھائی ظفر کی زندگی کو خوشگوار بنا سکے۔ صبح کو ہم واپس آجائینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ + تمہارا بھائی صفدر

افسر دلھن :- دیکھا۔ آخر وہ چڑیل یہیں نکلی نا۔ مجھے پہلے ہی امید تھی۔ اور اس دیدہ دلیری کی ہمت اور بے شرمی تو دیکھو۔ کہ سب حال اماں باوا کو کہلا بھیجا۔ مگر سب کیا دھرا اسی بلا کا ہے۔ خدا موت دے اس بدبخت

Taj Tahir Foundation

لڑکی کو؟"

بڑی بیگم ۔ بس بیوی اب کچھ نہ کہو۔ نہ اس پر ناراض ہو۔ میرا بچہ اختیار سے باہر ہے۔ اللہ اسے زندہ رکھے۔ ہم فیروزہ ہی سے بیاہ دینگے"

نزہت آرا ۔"ہاں خالہ جان اب ضد کرنی مناسب نہیں۔ بھائی جان کی حالت دیوانوں سے بدتر ہے شکر ہے اللہ کا کہ وہ مل گئی۔ مَیں تو کل کو خود جاؤں گی۔ اور اُسے اپنے ساتھ لاؤں گی۔ اب تو آپ جلدی جلدی شادی کی تیاری کرنے کی ٹھیرائیے"۔

رات

آٹھ بجے تک ملازم کھانا لے کر آگیا۔ صفدر نے بمشکل ضد کر کر کے ظفر کو چند نوالے کھلائے اور اس سے فارغ ہو کر ظفر اور وہ رات کے گیارہ بجے تک فیروزہ کی جھونپڑی کے آگے ٹہلتے رہے۔ مگر اس کا دروازہ بدستور بند تھا۔ کئی بار اُنہوں نے دروازے سے کان لگا کر اندر کی حقیقت معلوم کرنی چاہی۔ ہلکے ہلکے فیروزہ کو آواز بھی دی۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ کوئی ۱۲ بجے شب کے صفدر کو خیال آیا۔ کہ جھونپڑی کی پچھلی کھڑکیوں کو دیکھنا چاہیے۔ شاید کوئی کھلی ہوئی ہو۔ چنانچہ وہ ظفر سے کہے بغیر اُس طرف چلا گیا اور تینوں کھڑکیوں کو دیکھا۔ چادر مہتاب پھیلی ہوئی تھی۔ اور سناٹے کا عالم تھا۔ درمیانی دریچے کا ایک کواڑ کھلا تھا۔ اور اُس میں سے دھیمی دھیمی زرد اور اُداس روشنی باہر نکل رہی تھی۔ صفدر نے قریب ہو کر دیکھا تو میز پر ایک موم بتی کسی نامراد کی تُربت کے دیئے

کی طرح ٹمٹما رہی تھی۔ دریچے کے ذریعے جو چاندنی کی روشنی جھونپڑی میں پڑ رہی تھی۔ اس میں دکھائی دیتا تھا۔ کہ فیروزہ دیوار کے قریب بیٹھی کسی کام میں مصروف ہے۔ مگر چونکہ کھڑکی کی طرف اس کی پُشت تھی۔ اس لئے صفدر دیکھ نہ سکتا تھا۔ کہ وہ کیا کر رہی ہے +

صفدر حیران تھا۔ کہ بارہ بجے سونے کی بجائے یہ لڑکی اس وقت کیا کام کر رہی ہے۔ جب اس نے ذرا اندر کو سر ڈال کر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ کوئی چمکدار چیز ایک چھوٹے سے پتھر سے گُھل رہی ہے۔ یہ دیکھ کر صفدر کا دل نہایت تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کا جی چاہا۔ کہ فوراً کھڑکی میں سے اندر کُود جائے مگر ہمت نہ پڑی + صفدر واپس آیا۔ اور آکر ظفر کو تمام معاملے سے خبردار کیا۔ اور چند منٹ میں پریشان ظفر اس دریچے میں سے کُود کر بے دھڑک کمرے میں آگیا +

کھڑکی کے کواڑ کھلنے سے چاند کی روشنی اور زیادہ اندر آنے لگی تھی۔ اور پھر دھماکے کی آواز آئی۔ تو فیروزہ نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ اور ظفر کو اپنے سر پر کھڑا پایا۔ گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ سے وہ سنہری انگشتری جس میں ایک چمکیلا نگ جڑا تھا۔ اور پتھر کا ٹکڑا چھوٹ گیا۔ اور وہ غضب آلود نگاہوں سے ظفر کو دیکھنے لگی +

ظفر نے سب سے پہلے وہ انگوٹھی اور پتھر اس کے آگے سے اُٹھا لیا۔ اور شمع کے قریب جا کر دیکھنے لگا۔ کہ نگینہ ثابت ہے۔ یا کہیں سے کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہے +

فیروزہ غُصے سے کانپ رہی تھی۔ مگر ظفر کی خاموشی اور پریشانی نے اس کو بھی متاثر کیا۔ وہ ظفر کے قریب آئی۔ اور کہا۔ "ظفر تم میرا پیچھا

Taj Tahir Foundation

نہ چھوڑو گے۔ تم مجھے اس دار المحن سے ہمیشہ کی نجات حاصل نہیں کرنے دو گے؟ میں سچ کہتی ہوں۔ اب میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میرے پاس وہ خوشیوں اور تمناؤں سے بھرا ہوا پہلا دل نہیں رہا جو تم کو خوش کر سکے۔ بس خدا کے لئے مجھے ان آفتوں کی زندگی سے نجات پانے دو۔ اگر میں تمہاری زبردستی سے زندہ رہ بھی گئی۔ تب بھی تم اس غمگین و پژمردہ ہستی سے کوئی خوشی یا کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکو گے +

ظفر نے آہستہ سے کہا" نہ سہی۔ میں اب تم کو اپنے لئے نہیں بچاتا بلکہ خوف خدا اور عذاب آخرت سے بچانے کو آیا ہوں۔ جس مذہب میں خدا تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس میں ایسی موت حرام ہے اور منع "+

فیروزہ کا چہرہ اداس ہو گیا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ اور بولی :-

ظفر تم سچ کہتے ہو۔ بیشک یہ درست ہے۔ اور اسی خوف سے میں آج تک اس حالت میں زندہ رہی۔ مگر ظفر آخر کہاں تک؟ میں کیا کروں؟ فیروز سے نا اُمید ہو چکی۔ تم کو دیکھ لیا۔ بس اب مجھ سے یہ زندگی کی مصیبت برداشت نہیں ہو سکتی +

ظفر کے دل پر چوٹ لگی۔ مگر اس نے آہستہ سے کہا" یہ سب درست مگر یہ زندگی چند روزہ ہے۔ بہت جلد مر جاؤ گی۔ اور دنیا کی ان مصیبتوں سے نجات پاؤ گی۔ لیکن اگر خدا نہ کرے۔ اپنے ہاتھوں جان دی۔ تو تم ہو گی اور ہمیشہ کا عذاب + بہتر ہو۔ کہ باپان چلی جاؤ۔ اپنے والدین سے ملو۔ یہاں نہ رہو" + ظفر کی نگاہ انگوٹھی پر پڑی۔ اس کو دیکھ کر ایک تیر سا لگا۔ اور وہ بولا" آہ فیروزہ اس انگوٹھی کی یہ قدر ہوئی؟ یاد کرو تم نے ایک وقت کس تمنا سے اسے مجھ سے لیا تھا۔ اس قابل قدرت

کے لئے؟ میری انگوٹھی ایسا سخت عذاب کبھی نہ کرے گی۔ مَیں اس کو واپس لیتا ہوں ''۔

عہد گذشتہ کا ایک دُھندلا تصوّر فیروزہ کی نگاہوں میں پھر گیا۔ اس نے ظفر کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اور اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہنے لگی ''پیارے ظفر اس سے بڑھ کر مَیں اس انگوٹھی کی اور کیا قدر کرتی۔ کہ ہمیشہ کے لئے اس کے نگینہ کو اپنے دل و جگر میں رکھ کر دُنیا سے گزر جاؤں۔ یہ تحفہ محبت اس قدر عزیز تھا۔ کہ اس کا یہاں چھوڑنا مجھے گوارا نہ ہوا۔ لاؤ پیارے ظفر یہ مجھے واپس دے دو۔ یہ میری زندگی کے لئے سانس کی طرح ضروری ہے''۔

ظفر نے اس کا نگ اسی وقت کچل کر نکال لیا۔ اور خالی انگوٹھی اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فیروزہ کو پہنا دی۔ پھر قرآن ہاتھ میں دے کر فیروزہ سے قسم لی۔ کہ وہ آیندہ کبھی اس قسم کا ارادہ نہ کرے گی۔ فیروزہ نے وعدہ کیا۔ اور خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر ٹھیرنے کے بعد فیروزہ کے حکم سے وہ کوٹھڑی سے باہر چلے آئے۔ مگر دونوں کو بے اطمینانی رہی۔ اور اُنھوں نے باقی رات فیروزہ کی جھونپڑی کے برآمدے میں جاگتے جاگتے گزار دی۔ صبح کو صفدر کے اصرار اور اونچ نیچ سمجھانے پر ظفر چند گھنٹے کے لئے شہر آنے کو رضامند ہو گئے۔ صفدر نے تمام حال باپ اور چچا یعنی ظفر کے والد کو سُنایا۔ زنان خانے ہی میں انہیں پہلے نیم راضی کر لیا گیا۔ اب ظفر کی اندیشہ ناک حالت سے مجبور ہو کر انہوں نے اجازت دے دی۔ کہ تم جانو۔ جس طرح ہو سکے۔ اس لڑکی کو راضی کر کے اس سے ظفر کا عقد کروا دو۔ ہم رضامند ہیں۔

تمام رات کے جاگے ہوئے تھے۔ صفدر نے زبردستی ظفر کو آرام
کرنے کو لٹا دیا۔ تھکن تو تھی ہی ظفر بے ہوش ہو کر سو گئے۔ مگر صفدر اندر
گئے۔ ماں۔ خالہ۔ اور چچی وغیرہ کو بے حد انتظار تھا۔ سب حال ان سے بھی
کہا۔ اور نزہت کے پاس بیٹھے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے +

نزہت آرا ان کی بھی خالہ زاد بہن تھی۔ کیونکہ والدہ صفدر و والدۂ
ظفر اور والدہ نزہت تینوں حقیقی بہنیں بھی ہوتی تھیں۔ مگر صفدر کو نزہت
سے کچھ بہت ہی محبّت و موانست تھی + نزہت آرا نہایت خوش شکل۔
ہمدرد۔ خوش مزاج۔ تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ اور چونکہ کنبہ بھر میں یہی ایک
تعلیم یافتہ تھی۔ اس لئے صفدر بے حد چاہتا۔ اور اس کی قدر کرتا تھا +

چنانچہ نزہت نے اصرار سے کہا "ہمیں بھی آج بھابی فیروزہ سے
ملا لاؤ۔ جب بھائی جان اس قدر دیوانے ہو رہے ہیں۔ تو ہم بھی تو
دیکھیں وہ کتنی حسین ہیں؟"

صفدر نے مسکرا کر چھیڑنے کو کہا "کتنی بھی حسین ہوں۔ ہماری
خوبصورت نزہت کے حسن کو کہاں پہنچتی ہیں" +

نزہت کا دل مسکرا پڑا۔ مگر اس نے بظاہر بگڑ کر کہا "واہ آپ کو
ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے" +

صفدر "نہیں پیاری نزہت۔ بخدا مجھے تو تم اس لڑکی سے کہیں
زیادہ حسین نظر آتی ہو۔ اپنی اپنی پسند ہے نا۔ برا ماننے کی کیا بات" +

اسی طرح دیر تک ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی رہیں۔ کہ خادمہ نے
آکر کہا "احمد آیا ہے۔ کہتا ہے۔ ظفر بلا رہے ہیں" + چنانچہ صفدر باہر چلے
گئے۔ وہاں دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر کو ظفر اندر آئے۔

Taj Tahir Foundation

پھر موٹر تیار کرائی۔ اور گیارہ بجے سے پہلے خانقاہ پر پہنچ گئے +

مایوسی

جس قدر بے تابی سے ان دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ اسی قدر تیزی سے موٹر بھی برآمدے کے قریب پہنچی۔ دونوں اُترے۔ اور اندر جانے لگے۔ کہ آواز آئی "ٹھیرو ٹھیرو کون ہے؟" اور فوراً ایک خوبصورت نوجوان سیاہ بوٹ اور انگریزی ٹوپی پہنے کمرے سے نکل آیا۔ اور پھر پوچھا "تم کون ہو۔ کیا کام ہے؟"

ظفر نے تعجّب سے اس شخص کو دیکھا۔ اور کہا "ہمیں مس جعفر جی سے ملنا ہے +"

نوجوان۔ اس وقت ان کی طبیعت ناساز ہے۔ پھر کسی روز آیئے گا۔ اس وقت وہ نہیں مل سکتی ہیں +

بے پروائی سے یہ کہتے ہوئے نوجوان اندر چلا گیا۔ اور دروازہ بند کرلیا + اس وقت ان دونوں کی حالت ناقابل بیان تھی۔ دونوں متحیّر تھے۔ کہ یہ کون ہے۔ اور کہاں سے آیا ہے۔ ظفر کے دل کو اس قدر تکلیف محسوس ہوئی۔ کہ وہ کھڑا نہ ہوسکا۔ اور برآمدے کے ستون کے سہارے زمین پر بیٹھ گیا +

صفدر۔ "ہیں ہیں۔ کیا حال ہے۔ اس قدر بھی نرم دل نہ بنو۔ بس اب صبر کرو۔ میرا تو خیال ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ فیروزہ کل آپ سے برگشتہ

Taj Tahir Foundation

ہو رہی تھی۔ اور اسی لئے اُس نے آپ سے خط وکتابت بھی بند کی۔ مجھے تو یقین ہے۔ کہ اس کا دل آپ سے پھر گیا ہے۔ خیر کیا مضائقہ ہے اب بجائے رنج وغم کرنے کے اس کی بے وفائی کا خیال کر کے دل پر جبر کرو۔ اور صبر سے کام لو"

گو ظفر کے دل میں چھریاں چبھ رہی تھیں۔ مگر اس نے استقلال سے کہا۔"پیارے صفدر یہ سب سہی۔ مگر مجھ کو اس معصوم دل لڑکی پر کبھی بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ خیر میری بدنصیبی۔ چلو کچھ دیر خانقاہ پر ٹھہریں۔ مجھے بہت ضعف معلوم ہو رہا ہے طبیعت سنبھلے تو گھر چلینگے"

دونوں وہاں سے اُٹھے۔ اور ظفر خانقاہ کے احاطے میں آکر ایک گھنے درخت کے نیچے گھاس پر لیٹ گیا۔ اس کی عجیب حالت تھی۔ اس کی نظروں میں اس وقت دُنیا اندھیر تھی۔ وہ زندگی سے بیزار تھا۔ دل کو مسل رہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ صفدر سمجھاتا رہا۔ لیکن دو گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ اور ظفر کی طبیعت نہ سنبھلی۔

ایک بجے کچھ لوگ زیارت کرنے کے لئے شہر سے خانقاہ کو آئے۔ تو یہ دونوں وہاں سے اُٹھے۔ اور ظفر نے مُردہ آواز سے کہا۔"ایک بار اس جھونپڑی کو اور دیکھ لوں۔ جس میں ہمیشہ کے لئے میری سب خوشیاں اور تمام آرزوئیں دفن ہو گئیں"

دونوں جھونپڑی کی پُشت کی طرف گئے جہاں سے رات صفدر نے فیروزہ کی جان بچائی تھی۔ ان کی خوش قسمتی سے اس وقت بھی ایک کھڑکی کے دونوں کواڑ کھلے ہوئے تھے۔ دونوں بھائی بہت آہستہ آہستہ اور چُپ چاپ بڑھے۔ اور کھڑکی کے مقابل ایک درخت

کی آڑ میں خاموش کھڑے ہو گئے ÷

ان کی نظروں کے سامنے وہ دیوار تھی۔ جس کا دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مونڈھے پر وہ نوجوان ٹوپی اُتارے فیروزہ پر جُھکا ہُوا تھا۔ اور دوسرے مونڈھے پر فیروزہ تھی۔ جس نے جُھک کر اپنا سر اس نوجوان کے سینے سے لگا رکھا تھا۔ اور غالباً رو رہی تھی۔ کیونکہ نوجوان کے ہاتھ میں رومال تھا۔ اور بار بار اپنا ہاتھ اس کے رخساروں کے قریب لے جاتا دکھائی دیتا تھا۔ مگر فیروزہ کا چہرہ چھپا ہُوا تھا ÷

دونوں کو اس طرح کھڑے کھڑے پانچ چھ منٹ گزرے ہونگے۔ کہ اندر سے کچھ آواز آئی۔ چونکہ ظفر اب کھڑکی کے زیادہ قریب آ گیا تھا۔ اس لئے اس گفتگو کو بخوبی سُن لیا ÷

"پیاری فیروزہ بس اپنے دل کو سنبھالو۔ دُنیا میں انسان کو سخت سے سخت صدمات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اور وہ پھر جیتا ہے۔ تم نے اس عرصے میں اپنی کیا حالت بنا لی۔ مَیں تم کو اب یہاں چھوڑ کر نہ جاؤنگا۔ اب چلو۔ مَیں تم سے ملنے نہیں آیا۔ بلکہ تمہیں لینے آیا ہوں" ÷

فیروزہ "میں چلی چلونگی۔ مگر مجھے فیروز کی قبر تو معلوم ہی نہیں ÷

نوجوان "سب معلوم ہے۔ قبر پر پھر آئینگے۔ تمہارے اماں ابا جان بھی تو آئینگے۔ اس وقت چلو۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر مَیں دیوانہ ہُوا جاتا ہوں" ÷

پھر ظفر کو نظر آیا۔ کہ اس کی فیروزہ کا سفید و نازک ہاتھ اُس نوجوان نے اُٹھا کر اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا۔ اب ظفر سے نہ دیکھا گیا۔ وہ اس

Taj Tahir Foundation

طرح پیچھے سرکا جیسے اسے کوئی تیر آلگا ہے +

غضب ناک صفدر نے اسے اپنے بازوؤں پر سنبھالا۔ اور بولا:۔

" اگر آپ کی بجائے یہ میرا معاملہ ہوتا۔ اور میرے ہاتھ میں ایک پستول ہوتا۔ تو میں ہرگز فیر کرنے سے نہ رُکتا۔ اور ان دونوں کو کبھی چین سے نہ رہنے دیتا" +

ظفر کچھ دیر خاموش رہا۔ آخر بولا:۔

" ہائے کس دل سے۔ میری فیروزہ کو خدا دُنیا میں راحت دے۔ خواہ وہ کسی اور ہی کے ذریعے سے ہو۔ ہاں۔ اگر پستول ہوتا۔ تو بخدا میں اس وقت اپنا کام تمام کر لیتا۔ کیونکہ میری زندگی اب بے سود ہے۔ صفدر مجھے سنبھالو۔ میرے قدم کانپ رہے ہیں۔ میں گرا جاتا ہوں" اور پیچھے کو گر کر صفدر کے بازوؤں پر بے ہوش ہو گیا +

صفدر بہت پریشان ہُوا۔ ظفر کو اس حالت میں چھوڑ کر چشمہ تک جانا بھی مشکل تھا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ قریب ہی پہاڑی کے ایک پتھر میں سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ جو گھاس پر سے بہتا ہُوا نالی میں جا گرتا تھا۔ صفدر نے اس کو غنیمت سمجھا۔ اور اس سے اپنا رومال تر کر کے ظفر پر چھڑکا۔ کچھ پانی ہاتھوں میں لے کر اس کے حلق میں چوایا۔ غرض کہ پانچ سات منٹ کے بعد ظفر نے کچھ آنکھیں کھولیں تو اسے اُٹھا کر موٹر پر بٹھایا۔ اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا +

جب وہ "افسر محل" پر پہنچے تو ظفر کو تیز بُخار ہو گیا تھا۔ مگر صفدر نے کسی سے خانقاہ کے صحیح حالات کا ذکر نہ کیا + تقریباً ایک ہفتہ تک ظفر سخت بیمار رہا۔ اور بیہوشی کی حالت میں وہ اکثر فیروزہ۔ انگشتری۔

Taj Tahir Foundation

بے وفائی وغیرہ لفظ بولتا رہا۔ صفدر نے اس کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ اور پورے دل سے اس کی خدمت کی +

جب ظفر کی حالت کسی قدر سنبھلی۔ اور وہ بیٹھنے کے قابل ہوا۔ تو ایک روز وہ ضد کر کے صفدر کے ہمراہ خانقاہ پر گیا۔ مگر اب وہاں اس جھونپڑی کا دروازہ ویرانی کا منہ کھولے ہوئے تھا۔ اندر گئے تو سوائے ٹوٹے ہوئے مونڈھوں کے کوئی چیز نہ پائی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ اور ویرانی۔ یہ کیفیت دیکھ کر ظفر اس کوٹھڑی میں فیروزہ کے بستر کی جگہ پر بیٹھ کر بچوں کی طرح خوب پھوٹ پھوٹ کر دل کا خون رویا۔ صفدر کا دل بھی بھر آیا۔ کوئی دو گھنٹے بعد وہ دونوں اُٹھے۔ اور خانقاہ کے مجاور سے سیاہ پوش لڑکی کے متعلق دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ پانچ چھ ماہ سے یہاں قیام پذیر تھی۔ اور کل شام کو ایک شریف نوجوان کے ہمراہ خانقاہ میں آئی تھی۔ دونوں نے فاتحہ پڑھی۔ اور جو کچھ سامان اس کے پاس جھونپڑی میں تھا۔ وہ میرے حوالے گیا۔ اور بتایا۔ کہ "کل ہی شب کو ۹ بجے کی گاڑی سے میں کہیں چلی جاؤنگی"۔

یہ رُوح فرسا خبر سُن کر ظفر کا دل بھاری ہو گیا۔ اس سے وہاں نہ ٹھیرا گیا۔ دونوں اپنے مکان کو واپس آ گئے۔ مگر جب ظفر کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ تو تبدیل آب و ہوا کے لئے صفدر ظفر کو اپنے ہمراہ مسوری لے گیا +

بمبئی

سیٹھ محمد ابراہیم جعفرجی مرحوم کی کوٹھی واقع ماؤنٹ روڈ بمبئی میں جو عرصہ آٹھ نو ماہ سے بند پڑی تھی ۔ اب پھر چہل پہل ہے ۔ سیٹھ مرحوم کے بیٹے محمد منیم جعفرجی کوئی تین ہفتے کا عرصہ ہوا ۔ جاپان سے اپنے خاندان کے ہمراہ یہاں آکر مقیم ہوئے ہیں ۔ جب اُنہوں نے اپنے والد اور اکلوتے لڑکے کی موت کی خبر سُنی ۔ تو اپنی لڑکی فیروزہ کو بُلایا خط لکھے ۔ تار دیئے ۔ مگر جب وہ نہ گئی ۔ تو اپنا ایجنٹ اس کے لینے کو ہندوستان بھیجا تب بھی وہ آنے پر رضامند نہ ہوئی ۔ تو مجبوراً خود آ گئے ۔ کیونکہ یہاں اب ان کا کوئی اور عزیز نہ تھا جس کے بھروسہ پر فیروزہ کو تنہا چھوڑ دیتے ۔

سیٹھ مرحوم عرب سے تنہا آکر بمبئی میں آباد ہوئے تھے ۔ اور ایک ایرانی لڑکی سے شادی کر لی تھی ۔ جس کے والدین زندہ تھے ۔ اور جو اسکول میں پڑھتی تھی جب ان کے اولاد ہوئی ۔ اور سیٹھ منیم جوان ہوئے ۔ تو انہوں نے جاپان میں تجارت شروع کر دی ۔ چنانچہ چھوٹی لڑکی اور بیوی اور چھوٹے بھائی سیٹھ کریم جی کو وہ اپنے ہمراہ جاپان لے گئے ۔ اور ان کے لڑکے فیروز اور لڑکی فیروزہ کو بڑے سیٹھ صاحب نے اپنے پاس رکھ لیا ۔ کچھ عرصے بعد جب ان کی بیوی کا بھی انتقال ہو گیا ۔ تو یہی دونوں بچے ان کی زندگی کا سہارا رہ گئے ۔

ایک سال انہیں معہ پوتی پوتے کے موسم گرما مسوری میں گزارنے کا اتفاق ہوا ۔ جہاں ہمارے ظفر کا خاندان بھی مقیم تھا ۔ بس فیروزہ

Taj Tahir Foundation

ابھی پندرہ سال کی کم سمجھ لڑکی تھی۔ کہ مسوری میں ملاقات ظفر سے ہوگئی۔ اور چار ماہ میں ان کی دوستی اور محبت اتنی بڑھ گئی۔ گویا سالہا سال کے عاشق و معشوق ہیں ؛

اکتوبر میں جب سیٹھ صاحب بمبئی اور ظفر کے گھر والے دیرہ دون جانے لگے۔ تو دونوں کو یہ صدمہ سخت شاق گزرا۔ اور ظفر اور فیروزہ رو رو کر جدا ہوئے + اس وقت تو فیروزہ چلی گئی۔ مگر دوسرے سال ستمبر میں وہ ہمراہ دادا کے مسوری آئی۔ اور اب کے فیروز کو مسوری کے یورپین اسکول میں داخل کروادیا۔ اور خود دیرہ دون گرل اسکول میں داخل ہوگئی + مجبوراً دادا اکیلے بمبئی واپس چلے گئے +

ایک سال بعد جب فیروزہ انٹرنس پاس کرچکی۔ تو دادا نے اسے پھر بمبئی واپس بلانا چاہا۔ مگر فیروزہ نے نہ جانا چاہا۔ اور مسوری کالج میں پڑھنے لگی + تب سیٹھ صاحب نے دیرہ دون میں اس کے لئے ایک کوٹھی خریدی + کیونکہ وہ کروڑپتی تاجر تھے۔ شان سے رہنا اور رکھنا فرض تھا۔ اور خود بھی برس میں چھ ماہ یہاں رہ جاتے تھے۔ مگر آہ فیروز کی اچانک وفات نے سب خاک میں ملادیا +

فیروزہ ظفر کو تو چاہتی تھی۔ مگر بھائی کی جان میں اس کی جان تھی + اور اس کے انتقال سے وہ دیوانی ہوگئی۔ اب اس کی چھوٹی بہن زہرہ بھی زہرہ تمثال حسین جوان ہوگئی تھی۔ اور اس کی نسبت ٹھیر چکی تھی ؛

اس وقت سیٹھ منیم جعفر جی فیروزہ کو اپنے ہمراہ لے جانے اور بمبئی کی کوٹھی اور دکان کا انتظام کرنے کی غرض سے ہندوستان آئے تھے جس روز کا ذکر ہے۔ اس دن فیروزہ کو بمبئی پہنچے ہوئے بیس روز

Taj Tahir Foundation

کا عرصہ گزر چکا ہے + اوّل اوّل تو سب دوست احباب تعزیت کو آتے رہے۔ مگر اب ان کی آمد کی خوشی میں دعوتیں ہو رہی ہیں +

فیروز کے انتقال کو گیارہ ماہ گزر گئے ہیں۔ اور چھوٹی لڑکی کی شادی برسی کے بعد قرار پائی ہے۔ حسین و جمیل فیروزہ کو بمبئی والے آنکھوں پر جگہ دے رہے ہیں۔ مگر وہ کسی طرح بشاش ہوتی نظر نہیں آتی۔ چہرہ زرد اور افسردہ رہتا ہے۔ لیکن بادل ناخواستہ والدین کی خوشی کے خیال سے دعوت وغیرہ میں چلی جاتی ہے۔ آج بھی ملک التجار سیٹھ اسمٰعیل احمد ابراہیم کے عظیم الشان محل میں ان کو ڈنر دیا گیا ہے + ان کا یہ محل ابھی تیار ہؤا ہے۔ سیٹھ صاحب کا بڑا لڑکا بھی جو اس ہفتے ولایت سے سول سروس کا امتحان پاس کر کے آیا ہے۔ شریک دعوت ہے + شام کے چھ بج چکے ہیں۔ مسز ملیم جی دونوں لڑکیوں سمیت باغ میں ٹہل رہی ہیں +

زہرہ "اماں جان شام ہوگئی۔ چلئے کپڑے بدلیں۔ فیروزہ آپا آپ بھی چلیں" +

فیروزہ "میرے کپڑے تو اچھے خاصے ہیں۔ ان کو کیا بدلوں؟"

زہرہ "واہ آبی ساڑھی کچے رنگ کی ہے۔ تمام دھبے پڑ گئے ہیں۔ بُری معلوم ہوتی ہے" +

مسز ملیم جی "تو یہ بدلیں گی بھی کیا۔ خاکی اُتاریں گی۔ کالی پہن لیں گی +

فیروزہ "ہاں وہی سیاہ بنارسی ساڑھی پہن لیتی ہوں۔ جو کل خریدی ہے" +

زہرہ "واہ۔ وہ نہ پہننا۔ کالی سوگ کی نشانی بیل بہت ہی پتلی سی ہے۔ تمام ساڑھی سیاہ نظر آتی ہے" +

تینوں اپنے ڈریسنگ روم میں چلی گئیں۔ مگر جب موٹر پر سوار

Taj Tahir Foundation

ہونے لگیں تو ماں بیٹیوں نے دیکھا - کہ فیروزہ وہی سیاہ بنارسی ساڑھی اور ایک معمولی سفید ریشمی بلاوس پہنے ہے - زہرہ نہایت نازک زیور پہنے ہوئے تھی - مگر فیروزہ کے ہاتھ میں ایک بے نگ کی انگشتری کے سوا اور کچھ نہ تھا مسز منیم جی افسردہ ہو گئیں - زہرہ بھی دل میں جلی - مگر کچھ نہ بولی - کیونکہ سب عزیز فیروزہ کو سمجھا سمجھا کر عاجز آ گئے تھے +

آدھے گھنٹہ میں ان کی موٹر اسمٰعیل لاج میں داخل ہو گئی - جو بجلی کے لیمپوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا - موٹر برآمدے کے آگے آکر ٹھیر گئی - ایک خوش شکل و خوش اوضاع یورپین گورنس مہمانوں کے استقبال کو سامنے کھڑی تھی - اس نے ہاتھ پکڑ پکڑ کر مسکراتے ہوئے ان کو اتروایا اور ڈرائنگ روم میں لے گئی +

یہاں سیٹھ منیم اور کریم جی دونوں بھائی مع مسٹر کامران (زہرہ کے منگیتر) کے پہلے سے موجود تھے + چند اور نوجوان حسین لڑکیاں بھی جمع تھیں - جو ان لوگوں سے پردہ نہ کرتی تھیں + زہرہ ان تاروں کی محفل میں ماہ چہاردہم کے مانند چمک رہی تھی - سرخ و سفید رنگت پر گہری زمردین بنارسی ساری جگمگ جگمگ کر رہی تھی - اور آتشی گلابی رنگ کے جاپانی ریشم کی بلاوس پر بڑے بڑے سفید موتیوں کی مالائیں پہنی تھی - جیسے شفق میں بجلی کوند جائے - اور بار بار لوگوں کی نگاہیں اپنی جانب متوجہ کر لیتی تھی +

زہرہ ہاتھوں کے اشاروں سے اپنی دوست لڑکیوں سے ہنسی کی باتیں کر رہی تھی - اور ہاتھ ہلنے سے انگوٹھیوں کے قیمتی نگینے برقی روشنی میں جگنوؤں کی طرح چمک اٹھتے تھے - اور کامران خوش قسمت کامران

Taj Tahir Foundation

کا دل اپنی منگیتر کو دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ آہ کہاں ہے۔ اس وقت بدقسمت ظفر کہ وہ بھی اس منظر زرّین کو ایک نظر دیکھ لے۔ اس کی سوگ نشین فیروزہ صوفے کے ایک کنارے پر غم و الم کی ایک زندہ تصویر بنی بیٹھی ہے اور ایک بزرگ بی بی سے کچھ باتیں کر رہی ہے۔ بار بار اس کا گورا چٹا اور زرد چہرہ اور سیاہ ساڑی کا آنچل ہٹ جانے سے یوں باہر نکل پڑتا ہے۔ جیسے چاند بادلوں کے نقاب سے مضطرب ہو کر جھانکنے لگے +

مس اسمٰعیل اور ان کے بھائی مسٹر اسحاق نہایت ادب اور تکلّف سے سب کو پان اور الائچی تقسیم کر رہے ہیں۔ مس اسمٰعیل گو رنگ کی سانولی ہیں۔ مگر ہیں جامہ زیب اور خط و خال کی اچھی ہیں + وہ اس وقت ہلکی گلابی باریک بادلہ بھری ساڑی اور گلابی بلاؤس پہنے ہیں + انہوں نے زہرہ کی طرح سفید موتیوں کا زیور نہیں پہنا۔ بلکہ اپنی رنگت کے لحاظ سے یاقوت اور زمرّد سے مرصّع زیور پہنا ہے۔ ہاتھوں میں سُرخ جڑاؤ چوڑیاں ہیں سُرخ ہی نگ کی انگوٹھیاں ہیں۔ اور ان ہاتھوں میں سبز پانوں کی گلوریاں کچھ عجب بہار دکھا رہی ہیں +

ان کا نوجوان اور خوش وضع بھائی عنقریب پونا کی ڈپٹی کمشنری کا چارج لینے والا ہے۔ وہ فاختئی رنگ کا سوٹ پہنے ایک ہاتھ میں اپنی ٹوپی لئے دوسرے ہاتھ سے مہمانوں کو الائچی سگرٹ وغیرہ پیش کر رہا ہے + آہ کیسا دلچسپ منظر! فیروزہ خوش نصیب مس اسمٰعیل جی کی یہ رنگین ساعتیں دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں گھٹ رہی ہے۔ کہ یہ لڑکی کتنی خوش قسمت ہے۔ اس کا بھائی جوان ہو چکا ہے۔ تعلیم پا چکا ہے۔ اب دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ اس وقت اپنی بہن کے ساتھ کس خوشی سے مصروف

تو اضح ہے۔ اور ایک میں بدنصیب ہوں۔ کہ ایک اکلوتا بھائی تھا۔ کوئی خوشی بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ کہ داغ جدائی دے گیا۔ اگر زندہ ہوتا۔ تو وہ بھی ایک روز اسی طرح ولایت سے واپس آتا۔ اور وہ دن میرے لئے کس قدر روشن دن ہوتا +

اوّل تو عورت پھر رنج کھا کھا کر سخت رقیق القلب ہو گئی تھی۔ برداشت نہ کر سکی۔ آنسوؤں کا طوفان اُمڈ آیا۔ اور گرمی کا عذر کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔ اور دالان میں ٹہلنے لگی +

اس کے باہر آنے کے چند ہی منٹ بعد متواضع اور خوش اخلاق میزبان مسٹر اسحاق ہاتھ میں لیموینڈ اور برف کا گلاس لئے باہر دالان میں آیا۔ اور نہایت منکسرانہ طور پر فیروزہ کو پیش کر کے کہا "آپ گرمی سے گھبرا گئی ہیں۔ یہ تھوڑا سا سرد پانی پیجئے طبیعت بحال ہو جائیگی" +

فیروزہ کچھ کھوئی سی گئی۔ اس نے رومال سے اپنا چہرہ پونچھ کر کہا "آپ کی مہربانی۔ آپ نے اس قدر زحمت کیوں فرمائی۔ کہ خود گلاس اُٹھا کر لائے۔ کسی کے ہاتھ بھیج دینا تھا" +

اسحاق نے کمال خندہ روئی سے کہا "کوئی تکلیف نہیں۔ بلکہ ایسی معزز اور قابل لیڈی کی خدمت میرے لئے باعث فخر ہے + فیروزہ نے بصد مشکل چہرے پر کچھ تبسم پیدا کیا۔ اور اسحاق کے ہاتھ سے گلاس لے کر آدھے کے قریب پی لیا۔ کہ کسی طرح اسحاق اس کے پاس سے چلا جائے۔ مگر وہ کھڑا رہا۔ اور کچھ دیر بعد بولا :۔

یہاں بھی کچھ ہوا نہیں ہے۔ کمرے میں تو پنکھا بھی چل رہا تھا۔ آپ کو گرمی محسوس ہو رہی ہوگی۔ ذرا تکلیف فرما کر اس کرسی پر تشریف

رکھئے۔ میں ابھی اندر سے چھوٹا پنکھا منگاتا ہوں۔ وہیں گلاب کی ایک ٹہنی سے ایک گھنٹی بندھی تھی۔ وہ بجائی۔ فوراً خادم حاضر ہوا۔ اس سے چھوٹا برقی پنکھا منگا کر میز پر رکھا۔ اور اسے چلا دیا۔ فیروزہ مجبوراً کرسی پر بھی اس خیال سے جلد بیٹھ گئی۔ کہ جب اس کے سب کہنے مان لونگی۔ تو یہ چلا جائے گا۔ مگر وہ اب بھی نہ گیا۔ اور بولا:۔

اسحاق "ان دنوں آپ کی صحت کچھ درست معلوم نہیں ہوتی چہرہ بھی نہایت مضمحل اور کمزور سا نظر آتا ہے"

فیروزہ نے ٹالتے ہوئے جواب دیا "ہاں چند ہفتے سے کچھ تندرست نہیں ہوں۔ آپ جائیے۔ شائد کمرے میں کسی کو آپ کی تلاش نہ ہو"

مسٹر اسحاق نے کسی قدر مسکرا کر کہا "نہیں میری تلاش کسے ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر میری موجودگی آپ کے لئے بار خاطر ہے۔ تو اجازت چاہتا ہوں"

اسحاق اندر چلا گیا۔ اور شاید اسی نے اندر جا کر کہا جو ذرا دیر بعد مس اسمٰعیل جی باہر آئیں۔ اور بصد اصرار فیروزہ کو یہ کہہ کر ڈرائنگ روم میں لے گئیں۔ کہ "ہز آنر مع لیڈی صاحبہ کے تشریف لے آئے ہیں۔ اور پھر ڈائننگ ہال کا وقت بھی قریب ہے"

آج ڈنر بھی مناسب وقت سے کسی قدر جلدی ہوا تھا۔ کیونکہ ہز آنر لفٹنٹ گورنر پنجاب آج رات لاہور روانہ ہونے والے تھے۔ غرض کہ بخیر و خوبی ڈنر ختم ہوا۔ اور پھر باجے وغیرہ بجنے لگے۔

مسٹر اسحاق نے فیروزہ کی خاطر مدارات میں خاص حصہ لیا۔ جو مغموم فیروزہ کو کچھ ناگوار گزرا۔ ابھی گیارہ بھی نہ بجنے پائے تھے۔ کہ فیروزہ

Taj Tahir Foundation

سب مجمع کو وہیں چھوڑ کر اور سر کے درد کا عذر کر کے اپنے اسی نوجوان عزیز کے ساتھ جو اسے ڈیرہ دون کی خانقاہ سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اپنی کوٹھی واپس چلی آئی۔ مگر میزبانوں کے اصرار سے سیٹھ صاحب اور ان کی بیوی اور زہرہ و کامران وغیرہ ایک گھنٹہ اور ٹھیرے +

اس کے بعد سے اسحاق اکثر مجبوراً فیروزہ کی ملاقات کو آتے رہتے۔ فیروزہ کے لئے تحفے بھیجتے۔ باغوں میں ان سے ملتے + اور آخر ایک روز جھجکتے جھجکتے شادی کی درخواست بھی کر بیٹھے +

ان کے والدین نے فیروزہ کی والدہ سے کہا۔ مگر فیروزہ نے اوّل تو قطعی انکار کیا۔ لیکن زیادہ اصرار پر یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ "ابھی میں ڈاکٹری پڑھنے انگلینڈ جاؤنگی۔ واپس آنے پر دیکھا جائیگا" +

ناکام و نامراد مسٹر اسحاق اپنی جائے تعیناتی پر چلے گئے۔ لیکن دل میں یہ عہد کر لیا۔ کہ حتے الوسع فیروزہ کے سوا اور کسی عورت کو اپنی رفیق زندگی نہ بناؤنگا +

تین ماہ کے بعد فیروزہ بھی اپنے والدین کے ساتھ جاپان روانہ ہوگئی۔ مگر زہرہ مس کامران یہیں رہیں۔ کیونکہ کامران ڈاکٹر تھا۔ اور یہیں ملازم + ظفر کے علاوہ اب اسحاق کے دل پر بھی فیروزہ کی صورت کا گہرا نقش بیٹھ گیا +

Taj Tamir Foundation

مسوری

یہ جس زمانہ کا ذکر ہے۔ اس وقت فیروزہ کو اپنے والدین کے ساتھ جاپان گئے چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مایوسیوں کی بدولت ظفر کا پہلا شوق بیتاب اب۔ ایک صبر مجبور میں بدل کر رہ گیا ہے۔ اور گو وہ ابھی تک زندگی کے اس خوشگوار مرحلے میں ہے۔ جسے شباب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مگر وہ پہلی حرارت شباب سرد پڑ چکی ہے۔ اور وہ یاس وحسرت کی زندہ تصویر ہے + اور چونکہ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اور والدین کی تمام اُمیدیں اسی کے دم سے وابستہ تھیں۔ اس لئے اس نے ان کی پریشان اور متفکر حالت پر رحم کیا۔ اور دل پر نہایت جبر کر کے شادی کر لی ہے۔ اور اب دو بچوں کا باپ ہے +

جب ظفر نے آخری بار فیروزہ کو خانقاہ میں ایک اجنبی نوجوان کے ساتھ دیکھا تھا۔ اور پھر وہ جھونپڑی سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئی تھی۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ظفر کی شادی ایک ہندوستانی تعلیم یافتہ لڑکی بنت نواب رشید الدین حیدر صاحب دہلوی سے ہو گئی +

بیوی حسین۔ سمجھدار اور مزاج شناس تھی۔ اس کی پریشانیوں میں اس کو تسلی دینے والی۔ اور اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے والی۔ تھوڑے ہی عرصے میں میاں کی آنکھوں کا تارا بن گئی۔ اور ظفر سب گھر کی توقع کے برخلاف بیوی پر جان دینے لگا۔ مگر اب بھی جب کبھی فیروزہ کا خیال آجاتا تھا۔ تو مندمل زخموں میں پھر ٹیسیں اُٹھتیں۔ دل ٹوٹنے لگتا۔ اور وہ اپنی بدنصیبی

Taj Tahir Foundation

اور فیروزہ کی بے وفائی پر سرد آہیں بھرنے لگتا +

اس وقت ماشاء اللہ ظفر دو ننھے بچوں کا باپ ہے۔ ماہ اپریل آدھے کے قریب گزر چکا ہے۔ کہ ظفر تین ماہ کی رخصت لے کر مع بیوی بچوں کے مسوری آ گیا۔ اور ان کے ساتھ نیا بیاہا جوڑا مسٹر صفدر و نزہت آرا بیگم (جو اب مسز صفدر بنتیں) بھی تھے۔ اُنہوں نے سیوائے ہوٹل کے قریب ایک عالی شان کوٹھی لے لی۔ اور اس میں اکٹھے رہنے لگے +

انجینئر صاحب یعنی مسٹر ظفر کے بچوں کی نگرانی و پرورش پر ایک یورپین گورنس مقرر تھی۔ وہ بھی ساتھ آئی۔ اور چونکہ مسٹر ظفر پردہ کے حامی نہ تھے۔ اس لئے اکثر شام کو ان کی بیوی۔ بھاوج نزہت آرا اور گورنس مس سٹیلی ہوا خوری کو نکلا کرتی تھیں۔ اور کبھی کبھی ظفر اور صفدر بھی ساتھ ہو لیا کرتے تھے +

مسوری کا یہ موسم نہایت ہی خوشگوار اور پر فضا ہے۔ چونکہ ابھی برسات میں کچھ عرصہ باقی ہے۔ اس لئے موسم بہار کے رنگ برنگ کے خوشنما پھول اپنی پوری شادابی پر ہیں۔ اور ان کے مختلف رنگوں کے تختے عجیب بہار دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر شائقین اس پُر لطف موسم سے حظ اُٹھانے کو گرمی کی شدت سے پیشتر ہی مسوری چلے آتے ہیں +

ان لوگوں کو یہاں آئے ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ دن کے تین بجے ہوں گے۔ کہ صفدر اپنے کمرے سے نکل کر اور گیلری میں صرف ایک آواز دے کر کہ "ہم آ جائیں" ظفر کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ مگر دروازے کے پردے کے باہر کھڑے رہے +

ظفر۔ (مسہری پر سے) "ارے بھائی اب رُک کیوں گئے؟ جالی کے پردے
میں ٹھیرنا نہ ٹھیرنا برابر ہے۔ چلے آؤ" +

صفدر۔ (ہنستے ہوئے) "ذرا بھابی جان کا خوف تھا" (اور مسہری کے
پاس والی کرسی پر آ بیٹھے) +

ظفر۔ "وہ تم سے ناراض نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ مجھ سے زیادہ ان کی تمہاری
محبت اور بے تکلفی ہے۔ لیکن صفدر اس میں شک نہیں۔ کہ
یہاں پہاڑ پر تم بہت ہی بیباک ہوئے جاتے ہو" +

صفدر۔ "بھائی بات یہ ہے۔ کہ یہاں بزرگ تو ہوتے نہیں۔ جن کا
خوف ہو۔ یا بے شرم کہلانے کی شرم ہو۔ پھر آپس میں کیا تکلف۔ بھابی
ہیں کہاں بولتی نہیں؟"

ظفر۔ "ابھی ابھی وہ گورنس کے کمرے میں گئی ہیں۔ آج اظہر کو (ظفر
کا بچہ) بخار ہو گیا ہے" +

صفدر۔ "تو پھر آپ اکیلے یہاں کیا کر رہے ہیں۔ نزہت اکیلی ہیں۔
چلئے وہاں بیٹھیں" +

ظفر۔ "ہاں چار بج رہے ہیں۔ اب اُٹھنا چاہئے۔ چاء وغیرہ سے فارغ
ہو کر ذرا لائبریری بازار چلیں گے" +

صفدر۔ "بینڈ پر؟"

ظفر۔ "نہیں ویسے ہی ٹہلنے کو۔ کئی روز سے گھر سے نکلنا ہی نہیں ہوا" +

چنانچہ دونوں اُٹھے۔ اپنے اپنے "باتھ روم" گئے کپڑے بدلے اور
جب چاروں ڈرائینگ روم میں جمع ہو گئے۔ تو چھوکرا چاء لایا۔ اور
درمیان میں چھوٹی گول میز پر رکھ دی۔ جس کے گرد چاروں کی کرسیاں تھیں +

Taj Tanir Foundation

اس وقت اس کمرے کا نہایت دلفریب منظر تھا۔ چاروں طرف کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے تھے۔ جن میں سے پھولوں کی خوشبو۔ ہلکی ہلکی روشنی اور تازہ ہوا کے جھونکے داخل ہو ہو کر روح کی فرحت و انبساط کا باعث ہو رہے تھے۔ کمرے کے اندر خوب صورت گلدانوں اور گملوں کے پھول پتے باہر کی ہوا کے سرد جھونکوں سے مست ہو کر جھوم رہے تھے۔ اور دونوں خوبصورت نوجوان بادامی ریشمی سوٹ پہنے سروں سے ٹوپیاں اُتارے بے تکلف بیٹھے تھے۔ اور ان کی حسین رفیق عمر جن کو اس وقت خوش رنگ تیتریاں کہا جائے۔ تو بجا ہے۔ یکرنگی یعنی کاسنی۔ آبی۔ گلابی عنابی۔ دھانی۔ ہلکے رنگ کی باریک ریشمی ساڑیاں پہنے عجیب ناز سے بیٹھی تھیں۔ مسز ظفر تو تھیں ہی حسین۔ اور اپنے قدردان شوہر کے لئے فیروزہ سے بہتر رفیق عمر ثابت ہو رہی تھیں۔ مگر نزہت نے بھی شادی کے بعد غضب کا روپ نکالا تھا ٭

چاء کی کشتی میز پر رکھی گئی۔ تو ظفر کی فرمائش پر صفدر کی دُلھن نزہت آرا نے اپنے نازک نازک ہاتھوں سے سب کو چاء بنا کر دی۔ اتنے میں ظفر کی دو سال کی ننھی لڑکی عذرا آیا کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس ننھی سی پری کو دیکھ کر سب کے دل پھولوں کی طرح کھل گئے۔ اور ایک ایک نے گود میں اُٹھا کر اُسے چاء اور مٹھائی کھلانی شروع کی ٭

چاء سے فراغت پانے کے بعد چلنے کی صلاح ہوئی۔ آج یہ تجویز ٹھیری۔ کہ ظفر اور صفدر جدھر چاہیں جائیں۔ کیونکہ انہیں کچھ دوستوں سے ملنا تھا۔ اور بیگمات تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلیں چنانچہ وہ دونوں ٹوپیاں اُٹھا سگرٹ سُلگاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ اور لڑکا پیچھے

پیچھے چھتریاں لے گیا۔ وہ دونوں باتیں کرتے کرتے اور نظارے کا لطف اُٹھاتے ہوئے کوٹھی سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر نکل گئے۔ اور وہاں جاکر ایک سبز پہاڑی پر جو رنگا رنگ کے پھولوں سے لد رہی تھی۔ رومال بچھا کر بیٹھ گئے ÷

ظفر۔ بھئی آج کل تو سچ مچ مسوری بہشت ہے۔ کہو مسز صفدر بھی خوش ہیں؟

صفدر۔ (مسکراتے ہوئے) بھائی ہمیں سب ہی جگہ بہشت ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ آپ کی اور بھابی جان کی عنایت اور محبت سے مسوری کے آگے آج کل بہشت بھی حقیقت رکھتی نظر نہیں آتی۔ ہمیں تو گھر سے نکلنا مشکل تھا۔ ابھی چوتھی۱ چالے ہی ختم ہونے میں نہیں آتے تھے کسی نے کہا۔ کہ "بیاہ کو ابھی دو ماہ بھی نہیں گزرے۔ کیسے بے حیا ہیں۔ اکیلے پہاڑ جا رہے ہیں"۔ کوئی بولا "انگریزوں کی نقل بھی تو کرنی ٹھہری ہنی مون منانے چلے ہیں"۔ مگر بھائی نے سب کی سنی۔ اور کچھ نہ بولا۔ اور انہیں ساتھ لے کر آ ہی گیا ÷

ظفر۔ صفدر سچ کہتا ہوں میں بھی صرف تمہارے ہنی مون کے لئے ہی بہت مشکل سے رخصت لے کر آیا۔ کیونکہ اگر میں نہ آتا تو پھر تم بھی نہ آسکتے ÷

ان کا سلسلہ گفتگو یہیں تک پہنچا تھا۔ کہ بالکل ان کے قریب سے ایک ہندوستانی فیشن ایبل جوڑا ان کو گھورتا۔ اور چھتریاں گھماتا ہوا یوں آہستہ آہستہ گزرا۔ گویا کوشش کی کہ ان کو پہچان سکیں۔ یا اپنی طرف متوجہ کرالیں ÷

ان کے اس طرزِ عمل سے یہ دونوں کچھ متاثر ہوکر وہاں سے اُٹھ

کھڑے ہوئے۔ اور یہ معلوم کرنے کو کہ یہ کون ہیں۔ ان کے پیچھے لپکے۔ یہ چند قدم ہی بڑھے ہونگے۔ کہ پیچھے سے ایک اور ہندوستانی مسلمان جنٹلمین تیز قدمی سے ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ جو اس اگلے جوڑے سے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ٹھیرو ٹھیرو۔ میں بھی آپہنچا۔ کہاں جاتے ہو؟ لائبریری بازار چلیں گے۔ وہ دونوں ٹھیر گئے۔ اور مرد نے مڑ کر جواب دیا۔ "ہم تو ادھر ہی جا رہے ہیں۔ وہاں مسٹر لال چند سے ملنے کا وعدہ ہے"۔ وہ جنٹلمین اور وہ دونوں ساتھ ساتھ ہو لئے + اور یہ دونوں بھائی ان کے پیچھے آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتے ہوئے چلے +

ظفر۔ "صفدر تم نے کچھ خیال کیا"؟

صفدر۔ "کیا"؟

ظفر۔ "اس حسین لیڈی کو دیکھ کر کچھ یاد آیا" +

صفدر۔ جانے دو۔ بس اب یاد و داد کا زمانہ نہیں ہے۔ تم اب بچوں کے باپ ہو۔ اور ایک اُور دل کے مالک۔ جو تمہارا ہو چکا ہے +

ظفر۔ "ظالم سمجھ تو تو بھی گیا تھا۔ خیال بھی آ گیا تھا۔ مگر انجان بنا رہا۔ بھائی زمانہ ہو یا نہ ہو۔ یہ دوسری بات ہے۔ اور مجھ کو اپنی بیوی اور اپنے فرائض کا جس قدر خیال ہے۔ اس سے تم آگاہ ہی ہو۔ مگر میاں یاد ہی تو ہے۔ اگر کبھی آ جائے۔ تو کیا گناہ ہے؟ مگر صفدر یہ لیڈی کس قدر فیروزہ کے ہم شبیہ ہے۔ طرز لباس۔ وضع بالکل وہی" +

صفدر۔ "خدا نے بہت سی صورتیں یکساں بنائی ہیں۔ بھائی سچ تو یہ ہے کہ جب وہ ہماری طرف گھور گھور کر چل رہی تھی۔ تو میں دل میں سہم رہا تھا۔ کہ آپ کو فیروزہ یاد آ جائیں گی" +

ظفر:- کہیں وہی نہ ہو۔ آخر چار سال گزر چکے ہیں۔ حالت میں کسی قدر تبدیلی ہو جانا کیا عجب ہے لیکن یہ ساتھ والا جنٹلمین وہ شخص نہیں جسے ہم نے درگاہ میں دیکھا تھا + صفدر:۔ دیکھو اب میرا دل کس قدر پتھر ہو گیا ہے۔ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ کیا کیا خیال کر رہا ہوں۔ مگر برداشت کی طاقت ہے حقیقت میں مرد سنگ دل ہوتے ہیں" +

صفدر:۔ مگر آپ کی بے وفا محبوبہ آپ سے بھی زیادہ سنگ دل تھی۔ اچھا چلو۔ اب کہیں چلیں" +

ظفر:" ہم بھی لائبریری ہی چلیں گے۔ شاید وہاں کچھ پتہ لگے۔ کہ یہ لیڈی کون ہے ؟"

صفدر:" مگر اس سے فائدہ بھی کچھ ؟ اگر معلوم ہو گیا۔ کہ یہ دراصل فیروزہ ہے۔ شادی کر چکی ہے۔ اور وہ شخص اس کا شوہر ہے۔ تو کیا کرو گے ؟ فضول رنج ہو گا۔ بس جانے دو" +

ظفر:" رنج کاہے کا۔ کیا میں نے شادی نہیں کر لی۔ پھر وہ کیوں تباہ ہوتی ؟"

غرض کہ اس گفتگو میں دونوں لائبریری بازار پہنچے۔ وہاں آج بینڈ تھا۔ بنچوں پر بہت سے خوش دل جمع تھے۔ رکشا۔ ڈانڈیوں اور قلیوں کی اس قدر کثرت تھی۔ کہ راستہ چلنا مشکل ہو رہا تھا یہ دونوں اس انتظار میں تھے۔ کہ وہ تینوں ساتھی بیٹھ چکیں۔ تو ہم بھی ان کے قریب ہی بیٹھ جائیں۔ کہ ان کے متعلق کچھ علم حاصل ہو + وہیں کھڑے ہوئے انہیں اپنا ایک ہندو دوست دُنی چند ملا۔ جس نے بمبئی میں تجارت کا سلسلہ شروع کر لیا تھا۔ اور جو ظفر کی داستان محبت کا رازدار بھی تھا۔

صفدر:۔ بھئی دُنی چند ہمیں ایک ضروری جستجو ہے۔ کیا کچھ مدد کر سکو گے ؟"

دُنی چند" کہئے" ؞

صفدر "تم بمبئی سے آرہے ہونا"؟

دُنی چند" ہاں ہاں مسٹر ظفر کو تو اس کا علم ہے" ؞

صفدر " تو انھوں نے وہاں کے حالات آپ سے نہیں پوچھے"؟

دُنی چند " اب بے چارے کیا پُوچھتے۔ چار سال گزرے۔ وہ جاپان چلی گئی ہیں" ؞

ظفر " جاپان ؟ کیا والدین کے پاس گئی ہیں تمھیں بخوبی معلوم ہے"؟

دُنی چند۔ جی ہاں خُوب۔ میرا تو دو سال سے بمبئی ہی میں قیام ہے۔ مگر میری بیوی سے فیروزہ کی ہمشیرہ کی دوستی ہو گئی ہے۔ اُن کے ذریعے یہ سُنا تھا" ؞

ظفر " ارے تو تم اُس کے خاندان کے باقاعدہ دوست بن چکے ہو۔ بھئی اگر ان کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو۔ تو بتاؤ ؞

دُنی چند۔ فیروزہ جعفر جی کی چھوٹی ہمشیرہ زہرا کامران تو آج کل یہیں مسوری پر ہیں۔ آپ سے شائد ان کی ملاقات نہیں ہے۔ دیکھئے ابھی ملاتا ہوں۔ وہ یقیناً اس وقت یہیں موجود ہوں گی۔ اور سنئے۔ فیروزہ کے متعلق ایک رنجدہ خبر بھی ہے" ؞

ظفر کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے وحشت سے پوچھا " کیا"؟

دُنی چند اس کی حالت پر مُسکرایا۔ اور بولا " آپ گھبرا گئے۔ کوئی خطرناک بات نہیں۔ ایک ڈپٹی کمشنر سے ان کی نسبت ہو رہی ہے۔ اور اتفاق سے وہ صاحب بھی آج کل یہیں ہیں۔ شاید آپ سے تو تعارف ہو چکا ہو گا۔ مسٹر اسحاق ایم۔ اے ڈپٹی کمشنر ملک التجار سیٹھ اسمٰعیل جی

آف بمبئی کے صاحبزادے ہیں نہیں؟ ٹھہریئے وہ دونوں یہاں موجود ہوئے۔ تو میں اسی وقت ان سے آپ کی ملاقات کراؤنگا" +

صفدر "بھئی تم نے تو عجیب عزیب خبریں سُنائیں۔ فیروزہ اب تک کنواری رہی۔ تعجب ہے۔ اور ان کے بہن بھائی اور آئندہ ہونے والے شوہر یہیں مسوری۔ بلکہ اس جگہ ہیں۔ بھئی ملنا چاہئے۔ کہو بھائی ظفر ملاقات کیجئے گا؟"

ظفر نے مُردہ آواز سے کہا "کیا مضائقہ ہے +"

دُنی چند "میں انہیں دیکھتا ہوں۔ وہ اس پارٹی میں ہوں گے۔ جہاں مہاراجہ کپور تھلہ کے بھتیجے وغیرہ بیٹھے ہیں۔ ان سے ان کے تعلقات ہیں۔ یہ کہہ کر دُنی چند ان کو تلاش کرنے بھیڑ میں غائب ہو گئے +

ظفر "صفدر میرا خیال ہے۔ وہ لیڈی ضرور فیروزہ کی ہمشیرہ ہے۔ اور وہ تیسرا جنٹلمین یقیناً اسحاق ہوگا۔ کتنا خوش نصیب شخص ہے جسے اللہ فیروزہ جیسی نعمت بخشنے والا ہے" +

اتنے میں دُنی چند کچھ فاصلے پر مسٹر اور مسز کامران سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیا +

دنی چند "مسٹر کامران مزاج بخیریت؟"

ڈاکٹر کامران۔ خدا کا شکر ہے۔ ہم دونوں بخیریت ہیں۔ کہئے آپ ہفتہ بھر سے کہاں چھپے ہوئے تھے۔ آج ہی نظر آئے ہیں" +

مسز کامران "ہاں آپ مسز دُنی چند کو بھی ہمراہ لائے ہیں یا نہیں؟"

دُنی چند "میں انہیں ہی لینے کو کچھ دنوں کے لئے ڈیرہ دُون چلا گیا تھا۔ مگر وہ ابھی ایک ہفتہ تک اور نہیں آسکتیں۔ وہاں ایک

شادی ہے۔ اس لئے بعد میں جا کر اُنہیں لے آؤنگا۔

مسز کامران "ہمارا دل تو یہاں بہت گھبرا گیا ہے۔ یہاں بمبئی کی طرف کا کوئی خاندان نہیں۔ کوئی حسب دلخواہ مستورات ملنے کو نہیں۔ میں تو دو ہی ہفتے میں پریشان ہو گئی ہوں۔ آپ اب انہیں جلدی لائیے۔"

دُنی چند۔ "آپ کی مرضی کے موافق یہاں ایک خاندان ہے (وہ لوگ میرے گہرے دوست ہیں) اور غالباً آپ بھی اُنہیں جانتی ہونگی۔ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ نے کبھی ذکر کیا ہوگا۔ وہی دیرہ دون کے انجنیئر صاحب۔"

مسز کامران "(متعجب ہوکر) اچھا وہ دیکھو نام یاد کروں۔ فخر۔ فخر۔ نہیں نہیں۔ ظفر ظفر صاحب۔ ہاں ہاں ظفر انجینئر میں جانتی ہوں۔ بہن فیروزہ کے پاس اُن کی تصویریں بھی ہیں۔ (شوہر سے مخاطب ہوکر) دیکھئے ڈاکٹر صاحب میرا خیال ٹھیک تھا۔ وہ دو شخص جو راستے میں ہمیں زینہ پر بیٹھے ملے تھے۔ اُن میں سے ضرور ایک ظفر ہوں گے۔ کیونکہ اُس شخص کو دیکھتے ہی میری نظروں میں وہ تصویر پھر گئی۔ جو اُنہوں نے بہن فیروزہ کو دی تھی۔ ہم ان کے خاندان کے لوگوں سے ضرور ملیں گے۔ کیا اُن کی شادی ہو گئی؟"

دُنی چند۔ "جی ہاں۔ بلکہ دو بچے بھی ہیں۔ ان کی بی بی اور ایک بھاوج ان کے ہمراہ ہیں۔ اور دونوں عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ اُن سے مل کر یقیناً خوش ہونگی۔ اگر آپ اسی وقت ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔ تو میں اُنہیں ڈھونڈ لاؤں۔ وہ یہیں تھے۔ ہاں اسحاق صاحب کہاں گئے؟"

مسٹر کامران "ابھی تو ہمارے ساتھ ہی تھے۔ مگر ان کے دوست

لال چند بیرسٹر زبردستی چاؔ پلا نے اپنی کوٹھی پر لے گئے ہیں۔ دیکھئے وہ سامنے ان کا بنگلہ ہے "۔

دُنی چند "۔ تو میں ظفر صاحب کو یہاں بُلالوں۔ اُن کے چچازاد بھائی صفدر بھی اُن کے ساتھ ہیں "۔

مسنر کامران "۔ ہاں مَیں نے اُن کا نام بھی سُنا تھا مسٹر صفدر بھی ہمشیرہ فیروزہ کے دوست تھے۔ جائیے بلا لائیے "۔

چنانچہ اجازت ملتے ہی دُنی چند گئے۔ اور فوراً ہی دونوں کو بُلا لائے۔ مسٹر دنی چند نے تعارف کرایا۔ اور مسٹر و مسنر کامران بخندہ پیشانی ان سے ملے۔ آہ آج بدنصیب ظفر کے دل و دماغ کی عجیب حالت ہے۔ وہ اپنی جان سے عزیز فیروزہ کی بہن کے سامنے حسرت ویاس کی زندہ تصویر بنا کھڑا ہے۔ اور اس کا دماغ عہد گزشتہ کے واقعات کی یاد سے بے طرح پریشان ہو رہا ہے۔

مسنر کامران "۔ مجھے اس وقت اچانک آپ صاحبوں کو دیکھ کر بہت ہی مسرت ہوئی۔ سالہا سال سے اُمید تھی۔ کہ کسی روز اپنی ہمشیرہ کے عزیز دوستوں سے ملاقات ہوگی۔ آج وہ دن میسر ہوا "۔

ظفر۔ مجھے بھی آپ سے ملنے کا اس قدر اشتیاق تھا۔ کہ ایک بار تو جاپان جانے کا مصمم ارادہ کر بیٹھا تھا۔ مگر خدا کو اس جگہ اس طرح ملانا تھا۔ آپ کے محبت بھرے خطوط اور تصاویر اب تک نہایت احتیاط سے میرے پاس رکھی ہیں۔ اور یہ تو مجھے آج ہی معلوم ہوا۔ کہ آپ کی شادی ہوگئی ہے۔ اور آپ یہاں ہیں۔ مَیں قابل ڈاکٹر صاحب مسٹر کامران کو دیکھ کر بھی بہت خوش ہوا۔

Taj Tahir Foundation

ڈاکٹر کامران "۔آج اتفاق اور ہماری خوش قسمتی ہی سے ملاقات ہو گئی ۔ ورنہ ہم اس وقت قبرستان میں فیروز مرحوم کی قبر پر جانے کو تھے ۔ مسز کامران ہر روز شام کو وہاں جاتی ہیں "۔

مسز کامران "۔ ہمیں مسٹر دُنی چند کا شکر گزار ہونا چاہئے ۔ جنہوں نے پُرانے واقف کاروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا ۔ مجھے ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ مسٹر ظفر صاحب بھی یہیں ہیں ۔ مَیں اُن سے بھی ملنے کی مشتاق ہوں "۔

ظفر ۔ آپ سے ملنا میرے اور اُن کے لئے باعث افتخار ہو گا ۔ آپ کل ہی کوئی وقت مقرر کر لیجئے "۔

کامران "۔ مگر مسٹر ظفر ہم اپنے عزیز و معزز مہمان مسٹر اسحاق کی صلاح لئے بغیر کوئی وقت نہیں بتا سکتے ۔ کیونکہ وہ ہمارے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ ہم کسی ایسے وقت آ سکتے ہیں ۔ جب اُنہیں کہیں باہر جانا ہو "۔

صفدر ۔ اگر اسحاق صاحب بھی غریب خانہ پر تشریف لائیں تو کیا مضائقہ ہے ۔ غالباً اُن کا ہرج نہ ہو گا ۔ آخر تفریح ہی کو تو یہاں آئے ہوں گے "۔

ڈاکٹر کامران "۔ بے شک وہ ضرور آ جائیں گے (مسکرا کر) بشرطیکہ آپ لوگ ان کو مدعو کریں "۔

صفدر "۔ ہمیں ان سے مل کر بہت خوشی ہو گی "۔

ڈاکٹر کامران "۔ تو ہم سب بھی بہت خوشی سے آئیں گے "۔

ظفر "۔ مگر چونکہ ہم لوگوں میں پردے کا رواج ہے ۔ اس لئے بہتر یہ ہو گا کہ ایک وقت آپ دونوں صاحبان تشریف لائیں ۔ اور پھر کسی وقت زہرا بیگم صاحبہ تنہا کسی خادمہ کے ساتھ آ جائیں "۔

مسز کامران ۔" بالکل درست ہے۔ میں پردے کو جانتی ہوں۔ میں انشاءاللہ تعالیٰ کل ہی کسی وقت آپ کے ہاں آجاؤں گی۔ ڈاکٹر صاحب اور اسحاق صاحب پھر کسی دن آئینگے "۔

ظفر۔ "تو آپ سہ پہر کو چار بجے چاء پر تشریف لائیے "۔

مسز کامران ۔" بہت بہتر مسز ظفر سے آج میرا اسلام اور اس ملاقات کا حال کہہ دیجئے گا "۔

ڈاکٹر کامران (گھڑی دیکھ کر) " ادھو چھ بج رہے ہیں۔ اب ہمیں چلنا چاہیئے۔" لال منزل " سے مسٹر اسحاق صاحب کو لے کر گھر جانا ہے۔ وہ ذرا جلد کھانا کھاتے ہیں "۔

اس قدر گفتگو کے بعد دونوں میاں بیوی ان سے رخصت ہوئے۔ اور دُنی چند کو بھی ہمراہ لیتے گئے۔ پھر ظفر اور صفدر بھی گھر کی طرف چلے ظفر خاموش تھے۔ اور صفدر کوشش کر رہے تھے۔ کہ وہ باتیں کریں۔ راستے میں زور سے بارش ہونے لگی۔ اس لئے ان کو ایک دُکان میں ٹھیرِ جانا پڑا۔ اور کسی قدر دیر میں گھر پہنچے۔

فیروزہ

ایک ہفتے بعد مسز دُنی چند بھی ڈیرہ دون سے مسوری آگئیں۔ اب تینوں خاندان آپس میں خوب ملنے جلنے لگے۔ لائق اور سمجھدار شوہر کی خوشی چاہنے والی بیوی بیگم ظفر نے چند ہی دن میں زہرہ سے بہت محبت

بڑھالی۔ حالانکہ وہ ظفر کے گزشتہ واقعات عشق سے بخوبی واقف تھی۔ مگراس نے بدگمانی نہ کی۔ جس سے ظفر بے انتہا خوش ہوئے ÷

مگر خوشی اور بے فکری کا ایک مہینہ ہی گزرا تھا۔ کہ ڈاکٹر کامران صاحب کی رخصت ختم ہوگئی۔ اور وہ اپنی بیوی سمیت مسوری سے لکھنؤ رخصت ہوگئے ÷

اسی عرصے میں اسحاق اور ظفر میں بہت بے تکلفی ہوگئی تھی۔ اس سے فیروزہ کی بابت ظفر کو صرف اسی قدر معلوم ہوسکا۔ کہ وہ ابھی تک شادی پر رضامند نہیں ہوئی۔ مگر اسحاق سے اس کی نسبت کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ اور عنقریب ان کی شادی ہونے والی ہے ÷

ظفر کی رخصت بھی آدھی کے قریب ختم ہوچکی تھی۔ اور تعطیل کا صرف ڈیڑھ مہینہ باقی تھا ÷

تنہائی میں وہ اکثر سیر کو نکلتا۔ اور فیروز کی قبر پر ہو آیا کرتا تھا۔ کم ازکم وہ ہفتہ میں دو بار ضرور جایا کرتا تھا۔ کہ فیروز اس کی محبوبہ کا ازحد پیارا بھائی تھا۔ اور محبوب کا عزیز بھی پیارا ہوتا ہے ÷

مسٹر اور مسز کامران کو یہاں سے گئے کوئی تین ہفتے گزرے ہونگے۔ کہ ظفر کو "وائٹ وے کمپنی" میں ایک دن شام کو مسٹر اسحاق مل گئے۔ ظفر نے تعجب سے دریافت کیا۔ "آپ اس قدر جلدی کس طرح واپس آ گئے"؟

اسحاق :۔ ہاں ابھی ابھی میری رخصت ختم ہوئی تھی چھٹی ملنی بھی ناممکن تھی۔ مگر ایک سخت ضرورت کی وجہ سے جلدی آنا پڑا + مس جعفر جی گزشتہ ہفتے یہاں پہنچی ہیں۔ اور میرا ان سے ملنا ضروری تھا۔ "چالیول

ہوٹل میں ٹھیرا ہوں۔ آپ وہاں مجھے مل سکتے ہیں۔ میں بھی کسی وقت حاضر ہونگا"

ظفر "مس جعفر جی! کیا فیروزہ جعفر جی؟ اُن کی ہمشیرہ سے سُنا تھا۔ کہ وہ تو جاپان تھیں؟"

اسحاق "جی نہیں۔ جاپان تو نہیں۔ اس وقت امریکہ سے آ رہی ہیں۔ وہیں ڈاکٹری پڑھتی تھیں۔ اتوار کے دن مجھے ڈاکٹر کامران کی چھٹی ملی۔ کہ فوراً مسوری جاؤ۔ فیروزہ جعفر جی جہاز سے اُترتے ہی سیدھی مسوری گئی ہیں۔ ہم سے ملنے لکھنؤ تک نہیں آئیں۔ بس یہ تار پاتے ہی اُسی روز تین بجے چل پڑا۔ صبح ہی یہاں پہنچا ہوں"

یہ خبر سُن کر ظفر کا تمام جسم تھر تھرا گیا۔ اس کی تمام روح متزلزل ہو گئی۔ وہ نامعلوم خیالات کی ایک لہر میں کھو یا گیا۔ اس سے سنبھلا نہ گیا۔ اور قریب ہی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ آہ اس قدر عرصے کے بعد وہ اور فیروزہ ایک ہی جگہ موجود تھے۔ محبت کے بھرے ہوئے زخموں میں از سر نو ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔ وہ یہ سوچ کر کانپ اُٹھا۔ کہ اگر اس کی اور فیروزہ کی کہیں اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ تو کیا کرے گا۔ وہ ایک بیوی کا شوہر اور دو بچوں کا باپ ہے۔ وہ فیروزہ سے نہ ملے گا۔ مگر آہ فیروزہ تک رسائی ہو اور وہ اُسے نہ دیکھے۔ یہ کیسے ممکن تھا۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور پوچھنا چاہا۔ کہ فیروزہ کہاں فروکش ہیں۔ مگر ہمت نہ پڑی۔ اسحاق صاحب کو کچھ چیزیں لینی تھیں۔ ان کی خرید میں مصروف ہو گئے۔ اور تقریباً پندرہ منٹ کے بعد جب چلتے وقت ان سے رخصت ہونے لگے۔ تو ظفر نے بمشکل اُٹھ کر کہا۔

"تو آپ جانتے ہیں؟"

اسحاق۔ "ہاں شاپنگ میں بہت وقت صرف ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد مس صاحبہ کے جانے کا وقت ہو جائیگا۔ دیر ہو گئی تو قبرستان چلی جائینگی۔ معاف کیجئے میں پھر ملونگا"۔

ظفر۔ "تو کیا وہ ہوٹل میں نہیں؟"

اسحاق۔ نہیں وہ کسی کی کوٹھی میں مہمان ہیں۔ مگر آج کل صاحب خانہ گھر پر نہیں۔ کوٹھی خالی ہے۔ اچھا سلام اور چلدیئے۔

اللہ اللہ کیا زمانے کا پھیر ہے۔ ظفر کی آنکھوں کے آگے فیروزہ۔ اس کی فیروزہ۔ اس کی جان اور روح کی مالک۔ فیروزہ کا دعویدار اسحاق بن رہا ہے۔ ان کے جانے کے بعد ظفر بھی دکان سے نکل کر بھٹکتا بھٹکتا گھر پہنچا۔ اور علیحدگی میں یہ خبر صفدر کو سُنائی۔ صفدر یہ سُن کر بہت پریشان ہُوا۔ کہ اب سخت مشکل ہوگی۔ گو ظفر فیروزہ سے اب کوئی تعلق نہ رکھے گا۔ مگر وہ فیروزہ کو اسحاق کے ساتھ دیکھنا برداشت نہ کر سکے گا۔ اور کبھی راستے بازار یا دُکان وغیرہ پر ملنا ضرور ہوگا۔ خُدا معلوم ظفر اب کیا کر بیٹھے۔

ظفر اب بے حد خاموش اور افسردہ رہنے لگا۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے خاموش اندر بیٹھا رہتا۔ اور کسی سے بات نہ کرتا۔ اس کی خوراک دن بدن کم ہونے لگی۔ وہ اب سیر کو بھی اکیلا نکلا کرتا۔ اور صفدر کو ہمراہ نہ لیتا تھا۔

چونکہ اسحاق سے ظفر کے اچھے تعلقات تھے۔ اور اسحاق نے بتا دیا تھا۔ کہ وہ ہوٹل میں ٹھیرا ہُوا ہے۔ اس لئے ایک روز ظفر مع صفدر کے

Taj Tahir Foundation

ان سے ملنے ہوٹل میں گیا۔ مگر وہ وہاں موجود نہ تھے چنانچہ ملاقات نہ ہو سکی + ان دنوں اسحاق کو کہاں فرصت کہ وہ اُن کے گھر آتے۔ چنانچہ جس دن ظفر اسحاق سے "وائٹ اوے" کی دکان میں ملا تھا۔ اس کے بعد چار دن تک یہ کہیں نہ مل سکے۔ مگر بد قسمتی سے ایک روز شام کو ظفر ٹہلنے کے ارادے سے کوٹھی سے بہت دُور جنگل کی طرف نکل گیا۔ تو ایک جگہ سرسبز ٹیلے پر اس کی آنکھوں نے ایک وہ منظر دیکھا۔ جس کی اسے اپنی زندگی میں کبھی اُمید نہ تھی۔ اور جس کو دیکھنے سے وہ مر جانے کو بہتر سمجھتا تھا +

جیسے ہی ظفر ایک آڑو کے درخت کے پیچھے سے بڑھا + اس کا دل دھک دھک کر کے رُکا۔ اور پھر اس زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کہ ظفر کو معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کے سینے سے نکل جائیگا۔ سامنے گھاس پر دو شخص بیٹھے تھے۔ ظفر کی زندگی میں یہ دوسرا موقعہ تھا۔ آج سے چار سال پیشتر ایک ایسے ہی منظر نے خانقاہ کی جھونپڑی میں ظفر کے ہوش و حواس کو کھو دیا تھا۔ اور وہ غش کھا گیا تھا۔ مگر آج وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر اپنے آپ کو سنبھالے رہا + اس نے دیکھا۔ کہ اس سے چند گز کے فاصلے پر خوش قسمت اسحاق اور حسین فیروزہ دونوں بیٹھے ہیں۔ اسحاق کی ٹوپی قریب ہی گھاس پر رکھی ہوئی تھی۔ اور فیروزہ کی ساڑی کا آنچل بھی سر پر سے سرک گیا تھا۔ اسحاق کے ہاتھ میں فیروزہ کا ہاتھ تھا۔ اور ان میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں +

آڑو اور دوسری جھاڑیوں کی آڑ میں کھڑے ہو کر ظفر دس پندرہ منٹ تک یہ دیکھتا رہا۔ مگر جب رات کی تاریکی اس قدر بڑھ گئی کہ نظر کام

نہ کر سکی۔ تو مجبوراً ظفر گرتا پڑتا درختوں کا سہارا لیتا شہر کو روانہ ہوا۔ اس جگہ سے شہر کو صرف ایک سڑک ہی جاتی تھی۔ چنانچہ ظفر ابھی پچاس قدم ہی بڑھا ہوگا۔ کہ اس کو ایک ڈبل سیٹ کا رکشا ملا۔ چونکہ سڑک پر برقی لیمپ روشن تھے۔ اس کی مدد سے اس نے بخوبی پہچان لیا۔ کہ وہی دونوں اس رکشا میں اس کے برابر سے گزر گئے۔ ظفر کو فیروزہ کی جائے قیام معلوم کرنے کا یہ اچھا ذریعہ ملا۔ اپنی مصیبت و پریشانی کے تمام خیالات فوراً اس کے دل سے دور ہو گئے۔ اور وہ رکشا سے کچھ فاصلے پر اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔

اس جگہ سے کوئی دو میل کا فاصلہ چلنے کے بعد رکشا ایک کھڈ میں اُتر گیا۔ ظفر بھی اس کے پیچھے پیچھے اُترتا چلا گیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ نیچے ایک سُرخ رنگ کی اچھی فراخ کوٹھی ہے۔ رکشا اس کے برآمدے کے سامنے رُک گیا۔ اور اسحاق اور فیروزہ اس میں سے اُتر کر اندر چلے گئے۔ ظفر وہیں ٹھیرا رہا۔ جب قلی رکشا لے کر واپس آئے۔ تو اس نے پوچھا:۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

قلی۔ "حضور اس نیچے والی روج (روز) کاٹج سے"

ظفر۔ "یہ کس کی کوٹھی ہے؟"

قلی۔ "سہارنپور کی ایک میم صاحبہ کی ہے۔ وہ گرمی میں یہاں آجایا کرتی ہیں"

ظفر۔ "مگر اس رکشا میں تو کوئی میم نہ تھی"

قلی۔ "حضور میم صاحبہ تو ایک ہفتے سے کسی کام پر گھر گئی ہوئی ہیں"

ظفر۔ "تو یہ کون تھیں؟"

قلی۔ "یہ کوئی ان کی دوست ڈاکٹرنی ہیں۔ اور انہیں کے ایک مہمان

ڈپٹی کمشنر صاحب ہیں۔ کیا آپ کو رکشا درکار ہے ؟

ظفر:۔" ہاں اوپر لے چلو۔ وہاں سے ہم بیٹھ جائیں گے "

فیروزہ کی قیام گاہ معلوم کر کے ظفر اس رکشا میں بیٹھا۔ اور رات کے آٹھ بجے گھر پہنچا۔ اور یہ واقعہ بھی صفدر سے کہہ دیا۔ اس نے بہت ملامت کی۔ کہ" آخر اس کوشش لاحاصل سے فائدہ؟ اب صبر کرو "

قبرستان

اس رات ظفر کی طبیعت بہت خراب رہی کھانا بھی نہ کھایا۔ اور سر کے درد کا عذر کر کے جلدی لیٹ گیا۔ نیند کوسوں دور تھی۔ تمام رات کروٹیں لے لے کر نہایت بے چینی اور بے قراری میں گزاری۔ اور دوسرے دن علی الصباح بیوی سے یہ کہہ کر " سر میں سخت درد ہے۔ ذرا ہوا خوری کر آؤں۔ شاید فائدہ ہو " جنگل کی طرف نکل گیا۔

عجیب نشے کی سی کیفیت میں جا رہا تھا۔ بے اختیار رو پڑنے کو دل چاہتا تھا۔ پھر طبیعت کو سنبھالتا۔ اور دل کو لعن طعن کرتا۔ کہ جس نے میرے ساتھ اس دیدہ دلیری سے بے وفائی کی۔ مجھے اس کا کیا خیال۔ مجھ سے تعلقات قائم رکھنے میں تو بھائی کا بے حد غم تھا۔ تارک الدنیا ہو جانے کا عہد تھا۔ اور دوسرے سے اب مزے ہو رہے ہیں۔ پھر وہ بھی نہیں۔ جس کے ساتھ دیرہ دون سے گئی تھی۔ بلکہ ایک اور تیسرا شخص!! مگر آخر انسان ہی تو تھا۔ بہتیری کوشش کرتا۔ کہ اس کا خیال دل سے بھلا دے۔

مگر بار بار رشک وحسد کے شعلے سینے میں بھڑک اٹھتے تھے ۔

وہ اندھیرے ہی اندھیرے دل ہی دل میں سُلگتا بغیر کسی منزل مقصود کے چلا جا رہا تھا۔ کپڑے بھی نہ بدلے تھے۔ اور اسی سلیپنگ سُوٹ (سوتے وقت پہننے کے کپڑے) پر ایک اوور کوٹ پہن لیا تھا۔ سڑک پر کبھی تیز چلنے لگتا۔ کبھی آہستہ۔ کبھی رُک جاتا۔ لیکن کچھ دُور چل کر اس کی چال اعتدال پر آگئی۔ اور اس نے اس قبرستان کا رستہ لیا۔ جہاں فیروزہ کے بھائی کا مزار تھا۔

فیروز کے دادا سیٹھ مرحوم نے زر کثیر صرف کر کے اپنے پوتے کی قبر تیار کرائی تھی۔ اس تمام قبرستان میں اس بچے کی قبر کے سوا کسی دوسرے مسلمان کی ایسی شاندار اور ایسی خُوب صورت قبر نہ تھی + پھر جب اس کے والد بمبئی آئے۔ اور زہرہ کی شادی کرنے کے بعد جاپان جاتے وقت اس قبر کو دیکھنے مسوری آئے۔ تو قبر کے گرد ایک خوبصورت قیمتی جنگلہ اور اوپر ایک شیشہ کی کوٹھی بھی بنواتے گئے + کوٹھی میں برقی لیمپ لگوائے۔ جس سے رات کے وقت وہ چمکیلا گنبد بقعۂ نور معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کی روشنی سے وہ تمام شہر خموشاں جگمگ جگمگ کیا کرتا تھا۔ ایک حافظ کو تمام عمر کے لئے مقرر کر دیا۔ کہ قبر پر بیٹھ کر قرآن خوانی کیا کرے۔ آہ جو کچھ بھی کرتے تھوڑا تھا۔ ان کا یہی ایک اکیلا بچہ تھا۔ جو لاکھوں نہیں کروڑوں روپے کی جائداد کا مالک تھا۔ اور اب اس پر اس کے سوا اور کس طرح کچھ صرف کیا جا سکتا تھا۔ کہ اس کی قبر پر ہی اپنے ارمان نکالتے۔ یا اس کے نام پر خیرات دے دے کر اس کی روح کو فائدہ پہنچاتے +

ظفر قبرستان پہنچ کر سیدھا اسی بچے کی قبر پر گیا۔ لیمپ ابھی تک روشن

تھے۔ مگر جونہیں اس نے برآمدے میں قدم رکھا۔ شیشوں میں سے دکھائی دیا۔ کہ کوئی عورت قبر پر بیٹھی تلاوت قرآن کر رہی ہے۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اور وہ ایک سیاہ ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ اتنی صبح اس قبر پر کون ہو سکتا تھا۔ ظفر نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ تو اس سیاہ لباس میں اس کو ایک زعفرانی چہرہ صبح کاذب کے مرجھائے ہوئے چاند کی طرح نظر پڑا۔ آہ یہ وہی اپنے بھائی کی عاشق بہن فیروزہ مصروف تلاوت تھی +

ظفر کا دل تو بھر ہی رہا تھا۔ ایک ذراسی تحریک کی ضرورت تھی۔ اس وقت اس جگر خراش منظر کو دیکھ کر ضبط کا یارانہ رہا۔ وہیں بیٹھ کر زار و قطار رونے لگا۔ سسکیوں کی آواز سے فیروزہ چونکی۔ ادھر اُدھر دیکھا۔ تو قریب ہی وہ شخص نظر پڑا جو کبھی اس کے عالمِ خیال پر حکمرانی کیا کرتا تھا + فیروزہ کو ظفر سے محبّت تھی یا نہ تھی۔ مگر اس وقت کہ اہل دُنیا ابھی گرم گرم بستروں میں پڑے کروٹیں ہی لے رہے تھے۔ وہ ظفر کو اپنی جان سے زیادہ عزیز بھائی کی قبر پر روتے دیکھ کر بے چین ہو گئی۔ اور قرآن بند کرکے بجائے ظفر کی طرف متوجہ ہونے کے سنگ مزار سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی +

جب بہت بے حال ہو گئی۔ تو ظفر سے نہ رہا گیا۔ وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا "گو مجھے اب یہ حق حاصل نہیں۔ کہ مَیں آپ کو چھو سکوں۔ مگر آپ کی حالت بہت بگڑی جاتی ہے۔ ذرا دیر کو باہر چلیئے" + فیروزہ کو کھڑا کرکے ہاتھ پکڑے ہوئے باہر لے آیا۔ وہاں آکر وہ گھاس پر گر گئی۔ اور بے ہوش ہو گئی + کچھ دیر بعد جب ہوش آیا۔ تو ظفر کے سینے سے

Taj Tahir Foundation

سر لگا دیا ؂

"ظفر.... آہ.... کچھ نہیں.... جاؤ.... قبرستان میں زیادہ نہ ٹھیرو.... میں.... اب جاتی ہوں" ؂

ظفر نے حسرت سے فیروزہ کے چہرے کو دیکھ کر کہا "فیروزہ اے کاش فیروز کے ساتھ مجھے بھی موت آجاتی - یا تم اپنے ہی ہاتھ سے میرا کام تمام کر دیتیں - تاکہ جس وقت تم فیروز کی قبر پر آیا کرتیں - تو مجھ ناشاد کی رُوح بھی ایک لمحے کو شاد ہو جاتی - اور میں زندگی کے اس دوزخ سے نجات پا جاتا ؂

فیروزہ "وہ زمانہ گزر گیا - اب اس ذکر کا دُہرانا لاحاصل ہے - ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا - اچھا اُٹھو اب گھر چلیں" ؂

ظفر - فیروزہ کیا تمہاری طبیعت کی تمام سختی - تمام ظلم میرے ہی لئے ہیں؟ کیا مجھے ہی صدمے پہنچانے کی تم نے قسم کھائی ہے - ابھی کل شام ہی میں اپنی آنکھوں سے تم کو ہنستا بولتا - کسی خوش نصیب کے ساتھ محبّت کا سلوک کرتا دیکھ چکا ہوں" ؂

فیروزہ - (بات کاٹ کر) "ظفر دن نکل آیا - قرآں خواں آرہا ہے - بس اُٹھو مَیں بھی اپنے فیروز سے رُخصت ہو کر گھر چلوں - پھر تو شام ہی کو آنا ہوگا" ؂

ظفر "کیا آپ کوئی وقت بتا سکتی ہیں جس وقت میں پھر آپ سے ملوں؟"

فیروزہ "ہاں ملوں گی - مگر آج نہیں - میرے ہاں ایک مہمان ٹھیرے ہوئے ہیں - وہ آج جا رہے ہیں - مجھے فرصت نہ ہوگی - البتہ کل جس وقت آپ چاہیں "روز کا ٹج" آ سکتے ہیں" ؂

یہ کہہ کر وہ دفعتہً اُٹھی اور قبر پر چلی گئی - اب سورج بھی نکل آیا

تھا۔ظفر نے کچھ دیر وہیں ٹھیر کر اپنی حالت درست کی۔اور پھر ایک آہ بھر کر گھر واپس ہوا۔شوہر کی رات کی افسردگی سے ظفر بیگم بے انتہا متردد تھیں۔شوہر کے آتے ہی بعد بصد اصرار انہیں چاء پلائی بار بار ان کے مغموم چہرے کو پریشان نظروں سے دیکھتی جاتی تھیں۔

چاء سے فراغت پانے کے بعد ظفر نے آج کے تمام واقعات بھی صفدر کو شروع سے آخر تک کہہ سنائے۔

مسوری میں آخری رات

ظفر اگلے دن دوپہر کو فیروزہ سے ملنے روز کاٹیج گیا۔فیروزہ منتظر تھی۔ہاتھ ملا کر بٹھایا۔اور مزاج پرسی کی۔دونوں خاموش بیٹھ رہے۔رنج و غم نے فیروزہ کے دل پر مہر لگادی تھی۔ظفر کا دل اگرچہ شکوہ شکایات سے بھرا پڑا تھا۔مگر وہ فیروزہ کو کس منہ سے کچھ کہتا۔کیا وہ خود اب دو بچوں کا باپ نہ تھا۔اسے خوف تھا۔کہ اگر فیروزہ نے گفتگو کا رُخ ادھر بدل دیا۔تو وہ کیا جواب دے گا۔چنانچہ وہ بھی اپنے جوش کو سینے میں دبائے خاموش بیٹھا تھا۔اور دونو حیران تھے۔کہ کیا باتیں کریں۔وہ کوشش کر کے کوئی بات شروع بھی کرتے تھے۔تو وہ ذرا سے سوال وجواب کے بعد تمام ہو جاتی تھی۔اور جس مضمون پر ان کے دماغ میں دفتر کے دفتر جمع تھے۔اسے وہ چھیڑنا نہ چاہتے تھے۔آخر فیروزہ اُٹھی اور ظفر کے لئے چاء بنا کر لائی۔فیروزہ کے ہاتھ

کی بنی ہوئی چائے جو کبھی ظفر کے لئے آبِ حیات ہوتی تھی۔ آج زہر ہلاہل سے کم نہ تھی۔ ایک ایک گھونٹ رُک رُک کر اس کے حلق سے اُتر رہا تھا + ظفر کو چونکہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ فیروزہ عنقریب اسحاق سے شادی کرنے والی ہے۔ اس لئے اسے اُس کی ہر ہر بات ہر ہر حرکت میں خشکی۔ تکلف اور احتراز کا پہلو دکھائی دیتا تھا۔ اس ملاقات سے اسے بے حد تکلیف ہوئی۔ اور اس نے ارادہ کر لیا۔ کہ اب وہ کبھی یہاں نہ آئیگا +

جب ظفر فیروزہ سے ہاتھ ملا کر رُخصت ہونے لگا۔ تو فیروزہ نے کہا۔ "میں نے سُنا ہے۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ بال بچے بھی ہیں۔ اب تمہارا مجھ سے اس طرح چھپ کر ملنا تمہاری بیوی کی نظروں میں قصور ہوگا"

ظفر نے اس کے یہ معنے نکالے۔ کہ چونکہ وہ اسحاق سے منسوب ہو چکی ہے۔ اس لئے وہ میرا آنا مناسب نہیں سمجھتی۔ اس نے ایک زخمی و نیم جان شکار کی طرح فیروزہ کو دیکھا۔ اور دل پر صبر کی سِل رکھ کر پھر کبھی "روز کاٹیج" کا رُخ نہ کیا +

قبرستان میں ایک روز پھر چند منٹ کو ملاقات ہو گئی۔ مگر سوا سلام اور دو ایک معمولی رسمی باتوں کے اور کچھ بات نہ ہوئی +

اب ظفر کی رُخصت قریب الاختتام تھی۔ اور صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا + ظفر کی بیوی نے بھی کسی طرح یہ سُن پایا تھا۔ کہ فیروزہ یہاں آئی ہوئی ہے۔ اور گو اسے علم تھا۔ کہ وہ اسحاق سے منسوب ہو چکی ہے۔ لیکن آخر انسان تھی۔ انسان میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔ اسے اتنا بھی ناگوار تھا۔ چنانچہ وہ شوہر کی رُخصت ختم ہونے سے بے حد خوش ہو رہی تھی +

صفدر نے کہا۔ میں مستورات کو پہلے ڈیڑھ دن سے چلتا ہوں۔

Taj Tahir Foundation

کہ کچھ روز عزیزوں میں رہیں"۔ مگر ظفر بیگم نہ مانیں۔ آخر یہ ہفتہ بھی گزر گیا۔ اور سب کا سامان سفر درست ہونے لگا ٭

آج وہ دن تھا۔ کہ جب کی رات ان سب کی مسوری میں آخری رات تھی۔ کیونکہ دوسرے دن صبح ہی ڈیرہ دون روانہ ہونا تھا۔ آج ظفر بیگم و صفدر بیگم کی دعوت ان کی دوست بیگم حسین بیگ کے ہاں تھی۔ اور ظفر و صفدر کا کھانا کسی بنگالی ڈاکٹر کے گھر تھا۔ دونوں بیویاں کوئی گیارہ ایک بجے تک دعوت سے فارغ ہو کر کوٹھی میں واپس آ گئیں۔ مگر دیکھا۔ کہ ظفر اب تک نہ آیا تھا۔ ظفر بیگم سے ضبط نہ ہو سکا مسہری پر پڑ کر خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دیئں۔ کیونکہ انہیں یقین تھا۔ کہ ان کا پیارا شوہر آج فیروزہ سے رخصت ہونے گیا ہے۔ اور وہیں اسے دیر لگ رہی ہے ٭

حقیقت میں تھا بھی یہی۔ کھانے سے نو ہی بجے فارغ ہو کر صفدر گھر آ گیا۔ اور ظفر بے شرم بن کر پھر آخری بار اس خیال سے روز کاٹج چلا گیا تھا۔ کہ یہ جدائی اب عمر بھر کی جدائی ہے۔ اب آخری بار بے وفا فیروزہ سے رخصت ہو آنا چاہئے ٭

جس وقت وہ روز کاٹج پہنچا۔ تو رات کے ساڑھے نو بج چکے تھے۔ فیروزہ اس وقت بیڈ روم میں جا چکی تھی۔ اس نے برآمدے میں پہنچ کر آیا سے (جو سونے کو جا رہی تھی) کہا "مس صاحبہ کو ہمارا سلام پہنچاؤ۔ اور کہو کہ وہ ڈیرہ دون جا رہے ہیں۔ ایک ضروری کام ہے۔ صرف پانچ منٹ کو مل لیں" ٭

اس نے واپس آ کر کہا۔ کہ "چلئے بیگم انتظار کر رہی ہیں" ظفر اس کے ساتھ ڈرائینگ روم سے گزرتا ہوا بیڈ روم میں پہنچا۔ جہاں مسہری کے

Taj Tahir Foundation

قریب ہی دو کرسیاں پڑی تھیں۔ اور فیروزہ اپنے نائٹ گون ہی پر ساری لپیٹ کر ان کے انتظار میں کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ گو اس وقت وہ کسی قسم کی آرائش سے مزین نہ تھی۔ صرف سفید ریشمی نائٹ گون پر آسمانی ریشمی ساری جلدی جلدی لپیٹ لی تھی۔ اور بال جو سونے کے لئے کھولے گئے تھے۔ اُسی طرح شانوں پر بکھر رہے تھے۔ گو اس کے چاند سے چہرے پر وہ سیاہ بکھرے ہوئے بال اور ایک طرف کو جھکا ہوا آسمانی ساری کا آنچل بے حد خوشنما معلوم ہو رہا تھا۔

اس وقت شکستہ دل ظفر کو اب سے نو دس سال قبل کا نقشہ یاد آ گیا جب انگلینڈ جانے سے پیشتر ظفر فیروزہ سے دن یا رات کے وقت دیرہ دون اور مسوری میں ملا کرتا تھا۔ اور وہ محبت کے نشے میں اس سے لطیف باتیں کیا کرتی تھی۔ ظفر کے کمرے میں داخل ہونے پر وہ تعظیماً اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ اور دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئی اور بولی:-

فیروزہ:۔ مجھ سے ملنے کو آپ نے اتنی رات گئے سردی میں آنے کی تکلیف گوارا کی اس کی مشکور ہوں۔"

ظفر۔ (جیسے کوئی خواب سے چونکے) "کوئی تکلیف نہیں... میری رخصت ختم ہو گئی ہے.... صبح آٹھ بجے جا رہا ہوں.... آخری بار ملنے کو حاضر ہو گیا.... بے شک آپ کو تکلیف دی۔ کہ آرام کے وقت خلل انداز ہوا۔ اس جسارت کو معاف فرما کر مجھے مشکور کریں۔"

فیروزہ:۔ ظفر آرام سے اور فیروزہ سے کیا تعلق؟ ابھی ایک گھنٹہ ہوا میں قبرستان سے آئی ہوں۔ کھانا کھایا ہے۔ اور یہاں آ گئی... تنہا

ہوں۔ دل پریشان رہتا ہے۔ مالک مکان میری دوست تھیں۔ وہ چند روز میں واپس آنے کو کہہ گئی تھیں۔ مگر وہاں ان کو کئی ہفتے لگ گئے۔ پڑی قسمت کو روتی رہتی ہوں "۔

ظفر "مسٹر اسحاق پھر نہیں آئے؟ وہ تو اچھے رونق کے آدمی ہیں "۔

فیروزہ "اب وہ کبھی نہیں آئینگے۔ اس دفعہ انہیں ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا گیا ہے "۔

ظفر "وہ کیوں !!؟ ان سے تو تقریباً سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ زہرہ سے تو یہی سُننے میں آیا تھا "۔

فیروزہ۔ (مسکرا کر) "ہاں اپنے دلوں کو اطمینان دینے اور مجھے مصائب دُنیا میں مبتلا کرنے کو لوگوں نے یہی کچھ مشورہ کر رکھا ہے۔ والدین سے زیادہ ان دونوں میاں بیوی زہرہ اور کامران کو اس بات کی فکر ہے "۔

ظفر۔ "مجھے تعجّب ہے کہ زہرہ نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا۔ کہ آپ امریکہ میں ہیں۔ اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ مجھے تو یہ اسحاق صاحب ہی سے معلوم ہُوا۔ کہ امریکہ سے آئی ہیں۔ کیا یہ درست ہے "؟

فیروزہ۔ "ہاں ظفر۔ آخر میں اپنی بے کار زندگی جسے اُس روز تم نے ختم نہ ہونے دیا تھا۔ کسی کام میں لگاتی۔ اس سے زیادہ موزوں میں نے اپنے لئے کوئی شغل نہ پایا۔ کہ بے بس اور بے کس غریب مریضوں کی خدمت کروں۔ اور پیارے فیروز کی رُوح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے مریضوں کو امداد دوں۔ بس اب بقیہ زندگی اسی کام میں بسر کروں گی "۔

Taj Tahir Foundation

ظفر۔ (متعجب ہو کر) تو کیا شادی نہ ہو گی؟

فیروزہ شادی کیسی؟..... آہ ظفر..... سنگ دل و خوش دل ظفر۔ بدگمان ظفر۔ کیا کیا کہوں۔ اگر شادی نصیب میں ہوتی۔ تو میرا فیروز زندہ رہتا جس سے میرا دل زندہ رہتا۔ اور شادی اُسی شخص کے ساتھ ہوتی۔ جس سے ایک بار عہد کیا تھا۔ تمہارے خیال میں فیروزہ اس قدر بے وفا عہد شکن اور وعدہ خلاف ہے۔ کہ سالہا سال تک ایک شخص سے عہد و پیمان قائم رکھ کر کسی اور سے شادی پر رضامند ہو جاتی؟ اگر تمہارا ایسا خیال ہے۔ تو حقیقت میں بڑے ظالم اور سنگ دل ہو (ہنس کر) آخر کیا کرو۔ اپنا سا دل ہی سمجھتے ہو۔ میرے جاتے ہی شادی رچالی... اچھا خدا مبارک کرے۔ کہو بچے کیسے ہیں؟ بی بی کیسی ہیں؟ اللہ تمہیں دُنیا میں سرسبز شاد و آباد رکھے۔ میرا ایک پیارا اس گلشن حیات سے بے پھولے پھلے نیست و نابود ہو گیا۔ تو خدا دوسرے ہی کو سرسبز و بامراد کرے۔

آج فیروزہ کی زبان سے یہ الفاظ یہ خیالات سُن کر ظفر مثل تصویر کے خاموش و ساکت رہ گیا وہ حیران تھا۔ کہ وہ یہ سب باتیں خواب میں تو نہیں سُن رہا۔ کیا یہ اسی فیروزہ کے لب باتیں کر رہے ہیں۔ جو اس کے لئے برف کی مانند بے حس اور پتھر کی طرح سنگ دل ہو گئی تھی... کیا وہ اسی عہد محبت کو اس استقلال سے نبھا رہی ہے۔ لیکن فیروزہ ہی تھی جس نے آج سے کئی سال پیشتر اس کی محبت کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور ایک دوسرے شخص کے ساتھ رُخصت ہو گئی تھی۔ اس خیال سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ سانس تیز تیز آنے لگا۔ اور اس نے فیروزہ سے کہا:۔

آپ کی اس وقت کی تقریر مجھے سخت حیرت میں ڈال رہی ہے۔

آپ مجھے معاف کریں۔ اگر میں یہ کہنے کی جرأت کروں کہ میں تو سنگ دل ہوں ہی مگر آپ بھی مجھ سے کم نہیں آپ کو یاد ہے۔ کہ آپ نے کس طرح بے رحمی اور بے التفاتی دکھا دکھا کر مجھے علیحدہ کیا تھا۔ اور بلا اطلاع ڈیرہ دون سے غائب ہوگئی تھیں + جو شخص آپ کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا میں نے اُسے بھی دیکھا۔ اور دم نہ مارا۔ اللہ اللہ مجھ سے وہ بیزاری کہ شکل سے نفرت۔ اور ایک دوسرے شخص کے کہنے سے اس قدر جلدی مجھ سے بغیر ملے چلی گئیں۔ پھر خط تک نہ لکھا۔ اب بتاؤ کہ سنگ دلی کس کی طرف سے ہوئی؟ ... جب ایک سال تک مجھے کچھ پتہ نہ ملا کہ کہاں ہو۔ تو مجبوراً وہ بھی محض اس خیال سے کہ والد کی قطع نسل ہوئی جاتی تھی۔ جس کا انہیں بے حد صدمہ تھا۔ اور جس کے رنج میں وہ قریب المرگ ہوگئے تھے۔ میں نے عقد کر لیا۔ میری شادی ہوئے اب تین سال ہوئے ہیں۔ ایک لڑکا لڑکی موجود ہے۔ خیر جو خدا کو منظور تھا وہ ہوگیا"+

فیروزہ۔" دو بچے ہیں۔ میرا ظفر دو بچوں کا باپ ہے۔ خدا زندگی دے۔ میں ان کو کس طرح دیکھوں؟ ظفر میں ضرور دیکھوں گی۔ مگر تم تو صبح ہی جا رہے ہو"+

ظفر۔" جانے دو۔ جلانے سے کیا حاصل اُن کو دیکھ کر اب کیا کرو گی مرنے دو ہم سب کو۔ آج کے بعد پھر تمام عمر کبھی شکل نہ دیکھو گی۔ بس اب یہی آخری ملاقات ہے آہ اس کے ساتھ جس کے ہمراہ زندگی بسر کرنی تھی۔ جسے رفیق زندگی بنانا تھا"...... دل بھر آیا۔ باوجود کوشش ضبط کے گرم گرم آنسو رُخساروں پر بہ آئے۔ اور ظفر منہ پر رومال رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا +

Taj Tahir Foundation

فیروزہ۔ (بے چین ہو کر) ظفر بس اب رنج نہ کرو۔ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو گیا۔ بے شک میری طرف سے تم پر بہت سختی ہوئی۔ مگر میں رنج و غم سے دیوانی ہو رہی تھی۔ اُس وقت بھی گو تمہاری جُدائی کا خیال فیروز کی جُدائی سے کم نہ تھا۔ مگر جب وہ برداشت کر رہی تھی۔ تو یہ بھی کیا۔ مجھے معاف کر دو۔ اور خوشی سے اپنے بال بچوں میں زندگی بسر کرو"+

ظفر"... بے شک آپ کو صدمہ تھا... آپ مجبور تھیں... مگر مجھ سے خط و کتابت ہی رکھنی تھی۔ صرف اسی قدر سہارے پر میں اپنی زندگی گزار دیتا۔ کبھی کبھی مل ہی لیا کرتا۔ اس بیوی بچوں کی گرفتاری میں کیوں پھنستا... گو یہ دل اب تک اسی کا ہے۔ جس نے پہلی بار اس پر قبضہ کیا تھا۔ مگر اب ایک اور کی دلداری۔ محبت اور آرام بھی میرے ذمہ واجب ہیں۔ آہ فیروزہ تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ محض تمہاری خوشی کے لئے مَیں نے جُدائی کی سخت کٹھن مصیبتیں جھیلی تھیں۔ اور پانچ سال کی محنت اُٹھا کر اس خوشی میں انگلستان سے واپس آیا تھا۔ کہ تمہارے قابل ہو گیا ہوں۔ مگر آہ تُم نے کس حقارت سے مجھے علیحدہ پٹخ دیا۔ میری زندگی برباد کر کے ایک دوسرے شخص کے ساتھ بھاگ گئیں۔ کہو وہ صاحب کہاں ہیں؟"

فیروزہ "۔ وہ میرے چچا کریم جعفر جی تھے۔ وہ آج کل جاپان میں ہیں۔ جب والد کے تقاضوں پر بھی مَیں یہاں سے نہ گئی۔ تو مجبوراً انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کریم جی کو جاپان سے میرے لینے کو بھیجا۔ بمبئی سے میرے نام کا تار آیا۔ کہ مَیں تمہیں لینے آتا ہوں + میں نے صاف انکار کر دیا۔ کہ ہرگز نہ آؤ۔ میں نہ جاؤنگی۔ تب اُنہوں نے یہ خبر جاپان لکھی۔ یہ

Taj Tahir Foundation

سُن کر پاپا مع اماں جان اور ہمشیرہ زہرہ کے خود بمبئی آگئے۔ اور چچا کریم جی کو میرے لینے کے لئے یہاں بھیج دیا۔ وہ جس دن صبح یہاں پہنچے اُسی دن شام کو مجھے زبردستی یہاں سے لے گئے۔ بجائے باپ کے تھے ہیں رُک نہ سکی۔ اور پھر یہ بھی خوف تھا۔ کہ ان کے ساتھ نہ گئی۔ تو پھر پاپا آجا ئینگے۔ تمہیں خبر کرنے کا وقت بھی نہ تھا۔ اور یہ خیال بھی تھا۔ کہ تم کہاں۔ جب تمہارے ساتھ رہنا نہیں۔ پھر تمہیں اس خبر سے رنج دینے کا کیا فائدہ۔ جاپان چلی گئی۔ اور وہاں سب کی رائے سے ڈاکٹری کے لئے امریکہ چلی گئی۔ سُنی مصیبت زدہ کی داستان؟

یہ سُن کر کہ وہ شخص فیروزہ کا حقیقی چچا سیٹھ کریم جی تھا۔ ظفر پر ندامت کی بجلی سی گری اور رہا سے صفدر کی بدگمانی پر بے انتہا غصّہ آیا۔ بمشکل ضبط کر کے اسحاق کے متعلق سوال کیا +

ظفر:۔ اور یہ اسحاق صاحب کہاں سے واقف ہوئے ہیں؟"

فیروزہ۔ (مسکراتے ہوئے) ان کا قصّہ یہ ہے۔ کہ جب میں بمبئی پہنچی۔ تو وہاں ہماری بہت سی دعوتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک دن وہاں کے بڑے تاجر سیٹھ اسمٰعیل جی نے ہم کو ڈنر دیا۔ اتفاق سے اُنہیں دنوں ان کا لڑکا انگلینڈ سے فارغ التحصیل ہو کر آیا تھا۔ اُس نے وہاں مجھے دیکھا۔ اور شادی کی درخواست کی۔ جو مَیں نے نامنظور کر دی۔ مگر پاپا اور اماں جان نے اصرار کیا۔ سمجھایا۔ ناراض ہوئے۔ بہن بہنوئی نے مجبور کیا۔ تب میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ پہلے مَیں تعلیم حاصل کر لوں۔ پھر دیکھا جائیگا۔ یہ حضرت اسحاق صاحب میرے بہت قدردان ہو گئے۔ بہن بہنوئی نے یہ خبر مشہور کر دی۔ بس چار سال سے گویا میں ان کی منسوبہ مشہور ہوں۔

اور امریکہ سے واپس آنے پر شادی مقرر تھی۔ اس خیال سے کہ والدین پھر اصرار کرینگے۔ میں سیدھی ہندوستان آئی۔ کہ پہلے اسحاق کو صاف جواب دے لوں۔ پھر والدین کو بھی رضامند کرلوں گی۔ اس غصہ میں کہ بے میرے منظور کئے بہن بہنوئی نے کیوں یہ خبر مشہور کی۔ لکھنؤ جا کر ان سے بھی نہیں ملی۔ سیدھی یہاں پہنچی ہوں۔ اب اسحاق کو بالکل مایوس کر کے علیحدہ کر دیا ہے۔ اور اس کے متعلق والدہ کو خط لکھ چکی ہوں"

ظفر:۔ اچھا مجھے سچ سچ بتاؤ۔ وہی چاہنے والا ظفر' اپنا ظفر' خیال کر کے بتاؤ۔ کہ مسوری کس ارادے آئی تھیں؟"

فیروزہ:۔ آہ ظفر۔ یہ قسمت کہاں تھی۔ کہ کبھی تمہیں اپنا بھی کہہ سکتی۔ اب تم کسی اور کے ہو۔ اور تمہیں اپنا کہنا گناہ سے کم نہیں۔ مگر ارادہ سنو۔ میں اس خیال سے مسوری آئی ہوں۔ کہ اب بقیہ زندگی یہاں فیروز کی قبر پر گزار دوں۔ آہ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ کہ چار سال گزر جانے پر بھی اس کی جدائی میں میرا کیا حال ہے۔ یہ پڑھنا پڑھانا صرف اسی خوشی میں کرلیا۔ کہ اُس کے نام پر اُس کو ثواب پہنچانے کو بے کسوں کی خدمت کرونگی۔ اور اس کی یادگار میں شفاخانہ کھول دونگی۔ چنانچہ آتے ہی قبرستان کے قریب ایک قطعہ زمین خرید کر تعمیر بھی شروع کرادی ہے۔ تُم نے دیکھا ہوگا۔ کہ قبرستان کے راستہ میں ایک نیو پڑی ہے۔ بس وہی میری چھوٹی سی کوٹھی اور مختصر سا میڈیکل ہال ہوگا۔ چند کمرے مریضوں کے لئے بھی بنواؤنگی۔ جس قدر روپیہ والد سے ملا ہے۔ اور ملیگا۔ تمام کا تمام اس اسپتال کی نظر کرونگی۔ اور باقی تمام زندگی یہاں مسوری پر اس کی قبر کے نزدیک بسر کر ڈالونگی۔ جس مسوری کو کسی کی محبت

ہیں وطن بنایا تھا۔ اور بھائی کو مدرسہ میں داخل کرایا تھا۔ اسی مسوری پر اب ہمیشہ کے لئے بھائی کو سلا چکی ہوں۔ اور خود بھی انشاء اللہ یہیں دفن ہونگی۔ ظفر تمہارے وطن سے یہ مقام بہت قریب ہے۔ بلکہ وطن ہی ہے۔ دیرہ دون اور مسوری کچھ دور نہیں تم بھی کبھی کبھی میری قبر پر فاتحہ پڑھنے آجایا کرنا۔ کیونکہ میں دیکھتی ہوں۔ کہ میری غیر موجودگی میں تم فیروزہ کی قبر پر بھی جاتے رہے ہو۔ اور اپنی طرف سے ایک پُرحسرت شعر بھی اس کے سنگ مزار پر کندہ کروایا ہے۔ یقیناً میری قبر سے بھی محبت کروگے۔ بس اب تمہارا ہمارا اسی قدر تعلق ہوگا۔ یہ کہتے کہتے فیروزہ کی آواز تھرا گئی۔ اور آنسو آنکھوں سے چھلکنے کو ہی تھے۔ کہ زہر کے گھونٹ کی طرح ان کو آنکھوں ہی میں پی گئی۔ اور طبیعت کو سنبھال کر بولی "اب رات زیادہ آگئی ہوگی۔ تمہاری اہلیہ کو انتظار ہوگا۔ تمہیں جانا چاہیئے"۔

ظفر یہ سب باتیں سُن رہا تھا۔ اور ایک پتھر کے بُت کی طرح ساکن وجامد تھا۔ فیروزہ کے یہ پُرحسرت خیالات اور اس کی آیندہ مایوس و بے بہار زندگی کے متعلق سوچ کر اس کے دل میں ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔ اپنی زندگی مجھے سب وبال جان ہوگئے۔ اور دل اس خیال سے بیتاب ہوگیا۔ کہ اگر تین سال اور شادی نہ ہوتی۔ تو یقیناً فیروزہ اب شادی کر لیتی۔ ممکن ہے وہ اسی ارادے سے ہندوستان اور مسوری آئی ہو۔ کہ اب مجھ سے شادی کرلے۔ آہ اسے میری بے وفائی سے کس قدر مایوسی ہوئی ہوگی۔ اپنی بے بسی اور ازدواج کی زنجیروں میں گرفتاری کے ناقابل برداشت تصور سے اس کو ایک چکّر سا آگیا۔ اس سے کرسی پر سنبھل کر بھی نہ بیٹھا

گیا۔اور کرسی سمیت فیروزہ کے قدموں میں فرش پر گر پڑا۔آنکھیں بند تھیں۔اور دونوں ہاتھ ڈھیلے تھے۔اور باوجود اس وقت کی سخت بارش اور تیز ہوا کی سخت سردی کے اس کو اس قدر پسینہ آرہا تھا۔کہ تمام جسم تر تھا + فیروزہ رنج وغم کی زندہ تصویر بنی بیٹھی تھی۔دو تین منٹ تک متحیر و مبہوت بیٹھی رہی۔کہ کیا کرے۔آخر صبر نہ ہو سکا۔کرسی سے اُٹھی۔اور اس کے پاس فرش پر بیٹھ گئی۔اس کا ہاتھ اُٹھا کر اپنے ہاتھ میں لیا جو برف کی مانند سرد ہو رہا تھا۔کُرسی سے کشن اُٹھا کر سر کے نیچے رکھ دیا۔اور کہنے لگی :۔

فیروزہ "ظفر طبیعت کیسی ہے۔تمہیں پسینہ آرہا ہے۔اور ہاتھ یخ ہو رہے ہیں۔شال اُڑھا دوں،۔۔۔طبیعت سنبھالو۔۔۔مجھ سے تکلیف بیان کرو۔کہ کوئی دوا دوں۔ضروری ادویات اس وقت بھی میرے پاس موجود ہیں "+

اس وقت جلدی سے کُرسی پر سے اُٹھنے میں ساڑی کا بالائی آنچل سر سے گر گیا تھا۔ظفر نے اپنی نیم وا آنکھوں سے اُسے دیکھا۔تو لمبے لمبے سیاہ بال تمام پشت اور سینہ پر لہرا رہے تھے۔اور ان کے درمیان ایک باریک سی سنہری زنجیر لٹکتی نظر آرہی تھی۔جس کے ساتھ ایک روپے کی برابر فریم کی گول تصویر آویزاں تھی۔ظفر کو زنجیر اور تصویر تو نظر آگئی۔مگر بالوں کی سیاہی اور سائے کے باعث وہ پہچان نہ سکا۔کہ کس کی تصویر ہے +

سالہا سال بعد فیروزہ کی اُس کے حال پر اس قدر شفقت اور مہربانی۔اس قدر قرب۔اس کے نرم اور نازک ہاتھوں میں ہاتھ۔یہ سب کچھ اُس کے مبہوت کرنے کے لئے کافی تھا۔وہ ہر چند سنبھل کر

باتوں کا جواب دینا چاہتا تھا۔ مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ اور اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ ایک شگفتہ پھول کی خوشبو کی مانند اس کی رُوح رفتہ رفتہ اس کے جسم سے کھینچ رہی ہے۔ مگر یہ کس قدر شیریں موت تھی۔ اس کی خواہش تھی۔ کہ اسی طرح اس کی رُوح مرجھا کر رہ جائے۔ کیونکہ پھر ایسا موقع میسّر آنے کی اُمید نہ تھی۔ صُبح وہ مسُوری سے اور آیندہ روز ڈیرہ دون سے بہت دور دراز جگہ اپنی ملازمت پر رخصت ہونے والا تھا۔

جب پندرہ بیس منٹ وہ یونہیں ساکت و خاموش پڑا رہا۔ تو فیروزہ انتہا سے زیادہ گھبرائی۔ گھڑی اُٹھا کر اس کی نبض کی رفتار دیکھی۔ پھر تھرما میٹر لگا کر حرارت دریافت کی۔ دل کی حرکت کی تیزی اور ضعف معلوم کر کے وہ اُٹھی الماری سے چند شیشیاں نکالیں۔ اور پیمانہ میں ایک مکسچر بنا کر دیا۔

ظفر۔ (آنکھیں کھول کر) میری مہربان ڈاکٹر! یہ دوا دینے کی نسبت مجھ بدنصیب کے حق میں یہ کہیں بہتر ہو گا۔ کہ اپنے ہاتھ سے کوئی ایسی زود اثر چیز دو جسے کھا کر میں اپنی جان سے عزیز ڈاکٹر کے سامنے اس کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے شفا پالوں۔ اور اس سخت تکلیف و ایذا سے چھوٹ جاؤں۔ جو میرے ساتھ کند چھری کا کام کر رہی ہے"۔

فیروزہ۔ (ظفر کے سینے پر ہاتھ رکھ کر) ظفر دیکھو اس وقت ایسی باتیں نہ کرو۔ تم بہت کمزور ہو رہے ہو۔ دوائی کے یہ چند قطرے جلدی پی لو۔ تاکہ حالت سنبھل جائے۔ تم کو ابھی گھر تک پہنچنا ہے۔ بارش ہو رہی ہے۔ تمہارے دل کی دھڑکن دیکھ کر میرا دل دہلا جاتا ہے۔

ظفر۔ پیاری فیروزہ تم مسیحا ہو۔ اگر شفا اسی کو کہتی ہو۔ کہ میری جسمانی تکالیف

Taj Tahir Foundation

دور ہو جائیں تو اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ ان چمپئی ہتھیلیوں پر ایک جام زہر لا دو۔ اور مسکراتے ہوئے میرے ہونٹوں سے لگا دو۔ فیروزہ یقین کرو۔ مجھ میں یہاں سے جانے کی اور کل صبح مسوری سے (جس میں تم ہو) رخصت ہونے کی تاب و طاقت نہیں۔ میں یہاں رہ بھی نہیں سکتا۔ کہ ملازمت اور اہل و عیال کا پابند ہوں۔ بس میرا کہا مانو۔ مسیحا بنو۔ اور مجھے زندگی کی ان تکالیف و مصائب سے نجات دو۔

فیروزہ۔ ظفر کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔ دنیا کبھی انسان کی مرضی کے موافق نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ پڑے اسے صبر و شکر سے مردانہ وار برداشت کرو۔ تم کو فیروزہ کی قسم ہے۔ یہ دوا پی لو"

اتنا کہہ کر اپنے ہاتھ سے ظفر کا سر اُٹھایا۔ اور دوسرے ہاتھ سے دوا کا پیمانہ اس کے لبوں سے لگا دیا۔ فیروزہ کی قسم اور اس محبت سے پلانا۔ دوا پیئے بغیر نہ رہا گیا۔ فیروزہ کا حسین چہرہ دیکھتا دیکھتا پیمانہ خالی کر گیا۔ اور ذرا دیر بعد اُٹھ بیٹھا

فیروزہ" نہیں ابھی لیٹے رہو۔ ذرا آرام کر لو۔ طاقت آ جائے۔ تب جانا۔ کمزوری بہت ہے"

ظفر" جائے کون اور کہاں۔ فیروزہ میں تو صرف اتنا پوچھنے اٹھا ہوں۔ کہ مجھے یہ بتاؤ۔ کہ میں کس طرح یہاں سے جاؤں۔ اور کیونکہ تم سے علیحدہ زندگی بسر کروں؟"

فیروزہ۔ جس طرح نو سال سے آج تک زندگی بسر کی ہے"

ظفر۔ پانچ سال تو یہ اُمید رہی۔ کہ پڑھ کر تمہاری محبت کے قابل ہو جاؤنگا۔ اور عمر بھر کے لئے تمہیں حاصل کر لونگا۔ اور ایک سال تمہاری

جستجو اور جُدائی کے غم میں نہایت بے چینی سے گزرا۔اب تین سال سے بالکل مایوسانہ حالت میں تھا۔مگر اطمینان تھا۔کہ تُم خوشی سے زندگی گزار رہی ہوگی۔مگر آہ یہ کچھ اور ہی نکلا۔تم اس طرح رنجیدہ تارک الدنیا ہو۔ تمہارے دل میں مجھ بدبخت کا خیال بھی بدستور موجود ہو۔تُم میرے ہی وطن کے ایک قبرستان میں پڑکر اور دُنیا سے علیحدہ نہایت خوش گوار طریق سے عمر بسر کرنے کو تیار رہو۔اور مَیں بیوی بچّوں کے درمیان آرام و اطمینان کی زندگی بسر کروں۔میرا دل مجھ پر لعنتیں کر رہا ہے۔میرا ضمیر مجھے نفرین کر رہا ہے۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے۔ بس اُس وقت تم خودکشی کرتی تھیں۔ اب میں خودکُشی کرونگا۔تُم اس حالت میں رہو۔جواں مرگ بھائی کی موت کے سوگ اور میری محبّت اور میری جُدائی میں عمر کاٹو اور میں سخت جان علیحدگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں۔فیروزہ اب طرزِ زندگی میرے بس کا نہیں۔مَیں اب یہاں سے نہ جاؤنگا۔یہیں جان دے کر عذاب دُنیا سے نجات پاؤنگا"۔

فیروزہ۔"ظفر تُم مرد ہو کر ایک عورت سے بھی کم حوصلہ دل رکھتے ہو۔آخر میں زندہ ہوں۔جس طرح میں تمہاری جُدائی میں عمر بسر کرونگی۔اسی طرح تُم بھی زندگی کے بقیہ دن صبر و شکر سے گزار دو۔اچھا اب اس فکر کو جانے دو۔اُٹھو صوفے پر بیٹھو۔زمین سخت اور ٹھنڈی ہے"۔

ظفر۔"فیروزہ عنقریب اس زمین میں ہمیشہ کو چلا جاؤنگا"۔

فیروزہ۔"یہ دیکھو اس صوفے کا یہ مخملی کشن میرے ہاتھ کا بنا ہُوا ہے۔اس پر بیٹ جاؤ"۔

یہ کہہ کر زبردستی ظفر کو پکڑ کر اُٹھایا اور کمرے کے وسط میں صوفے

پر بٹھا دیا"۔

ظفر۔ تو آپ چاہتی ہیں کہ میں کچھ دیر آرام کر کے گھر چلا جاؤں"؟

فیروزہ "اور کیا۔ ظفر اب جو باتیں بے سُود اور رنج دہ ہیں۔ ان کے کرنے سے کیا فائدہ۔ اور اگر تُم انہیں چھیڑو۔ تو تم اپنی بیوی کے مجرم ہو۔ میرا مالک تو سوائے تمہارے نہ کوئی ہُوا نہ ہوگا۔ مگر تمہاری تمام محبّت کی ایک اور دعویدار ہے۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ تُم اس سے محبت کرو۔ اور اس کو خوش رکھو۔ بیوی سے چھپ کر مجھ سے ملنا یا مجھ سے محبت کرنا اخلاقی گناہ اور خُدا کا گناہ ہے"۔

ظفر۔ بیوی سے قبل میرا دل اور میری جان سب آپ کی ہو چکی تھی۔ اس پر بھی میں نے اس کو کبھی اپنی بے پروائی سے تکلیف نہیں پہنچائی۔ مگر اب کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ میرے لئے۔ میرے نام پر فیروزہ عمر گزار دے۔ اور میں علیحدہ خوش رہوں۔ تو یہ نہیں ہو سکتا"۔

فیروزہ "جان سے پیارے ظفر جُدائی ہم میں پڑ چکی ہے۔ اب ہم ہمیشہ کے لئے اپنی اپنی زندگی علیحدہ گزارنے پر مجبور ہیں۔ لیکن ہم دونوں کی روحیں ایک ہیں۔ زندگی کا تھوڑا سا کٹھن عرصہ اور باقی ہے عیش و آرام کی ایک دوسری دنیا ہمارے لئے چشم براہ ہے۔ آؤ ہم دونوں تنہائی میں اپنی اپنی روحیں ایک آئندہ وصال کے لئے مکمل طور پر تیار کر لیں۔ شوق کے دریاؤں کو برابر بہنے دو۔ ان میں طوفان کا آنا درست نہیں۔ لیکن آخر میں یہ مل جائیں۔ اور اکٹھے ہو کر فنا کے بے پایاں سمندر میں ایک ہو جائیں۔ لو ایک بج گیا۔ اب تمہارا جانا مناسب ہے۔ اُٹھو میں رکشا نکلواتی ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ اٹھی برآمدے میں آ کر آیا کو جگایا جو کوچ پر پڑی پڑی سو گئی تھی

اپنا رکشا نکلوایا۔ اور قلیوں کو جگایا۔ اندر آ کر کہا "رکشا تیار ہے۔ بارش بھی ذرا دھیمی ہے۔ بس اب بسم اللہ کرو۔ تمہیں میری قسم ہے۔ اب طبیعت پر جبر کر کے سوار ہو جاؤ۔ میں تمہارے بچے کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لئے کل صبح تمہیں راستے میں ملوں گی"۔

ظفر۔ (مجبوراً کھڑا ہو کر) "فیروزہ تمہاری قسمیں مجھے مجبور کر دیتی ہیں۔ مگر بتاؤ کیا کروں۔ میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ مَیں کس طرح یہاں سے رخصت ہوں۔ فیروزہ میں گھر سلامت نہ پہنچ سکونگا۔ فیروزہ مَیں ڈیڑھ ماہ یہاں رہا۔ اگر پہلے سے یہ التفات ظاہر کیا ہوتا۔ تو میں کئی ملاقاتیں کر سکتا۔ چلتے وقت مرتے کو مارا!"

فیروزہ۔ "پیارے ظفر محض اسی لئے مَیں تم سے بے التفاتی سے پیش آئی۔ کہ مجھے یقین تھا۔ ملاقات سے تمہاری گزشتہ محبّت میں پھر جوش آ جائیگا۔ اور مَیں تمہاری اہلیہ کی گنہگار رہونگی۔ لو سوار ہو۔ اب خدا کے سپرد۔ ہاں مَیں بچّوں کو دیکھنے کو کل راستہ میں "جھاڑی پانی" کے قریب ملونگی۔ ذرا اُس خوش نصیب کو بھی دیکھوں گی۔ جس کے سر پر خدا نے یہ چمکتا دمکتا عزّت کا شاندار تاج رکھا ہے"۔

ان الفاظ نے ظفر کے دل کی دُکھتی ہوئی رگ کو چھیڑ دیا۔ اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسوؤں کا ایک دریا اُبل پڑا۔ چونکہ دونوں لیمپ کے سامنے کھڑے تھے۔ اس لئے فیروزہ نے اُس کے آنسو دیکھ لئے۔ کب تک ضبط کرتی۔ اس کے جانے کی تکلیف پہلے ہی بمشکل سہار رہی تھی اس پر ظفر کا بے قراری سے رونا۔ بے اختیار طور پر بیتاب ہو گئی۔ یہ شعر پڑھا ؎

جان جاتے دیکھنا کچھ کم نہ تھی ایذا ہمیں
اور جاتے وقت رو کر تم نے تڑپایا ہمیں

ظفر کے سینے سے چمٹ گئی۔ اور ہچکیاں لے لے کر خود بھی رونے لگی۔ یہ عجیب پرحسرت نظارہ تھا۔ یہ رخصت کر رہی تھی۔ اور وہ رخصت ہو رہا تھا۔ مگر نہ یہ رخصت کرنا چاہتی تھی۔ اور نہ وہ اس سے رخصت ہونا چاہتا تھا۔ لیکن دونوں مجبور و ناچار تھے۔ تقریباً ۵ امنٹ تک دونوں یونہیں کھڑے روتے رہے۔ کہ آیا نے دروازے میں سے کہا "حضور رکشا تیار ہے۔ پانی زیادہ ہو چلا ہے۔ اُن صاحب سے کہیے سوار ہو جائیں" +
اس آواز نے دونوں بے ہوش و بے خبر عاشق و معشوق کو چونکا دیا۔ فیروزہ نے ظفر سے علیحدہ ہو کر اپنے آنسو پونچھے۔ اور ہاتھ پکڑ کر بہزار دقت کہا:۔

فیروزہ۔ "لیجئے اب چلئے" +

ظفر۔ "میں کل نہ جاؤنگا۔ گھر والوں کو روانہ کر دونگا" +

فیروزہ نے ظفر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور چین بجبیں ہو کر کہا "دیکھو ظفر یوں ہرگز مت کرنا۔ ورنہ یاد رکھو خواہ ہفتہ بھر بھی ٹھیرے رہو۔ پھر میں نہ ملونگی" +
یہ سن کر ظفر نے مجبور ہو کر سر جھکا لیا۔ اور رنج و فکر کے ایک سمندر میں ڈوب گیا۔ آخر حسرت بھری نظریں فیروزہ کے چہرے کی طرف اٹھائیں +
اس کے سینے پر اس زنجیر میں پھر وہی تصویر دکھائی دی۔ اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔ اس چھوٹے سے سنہری حلقے میں دو طرفہ دو تصویریں لگی تھیں۔ ایک تو اس کے مرحوم بھائی فیروز کی تھی۔ اور دوسری ظفر کی +

ظفر۔ "اس شبیہ کی یہ قدر کہ سینے پر رہے۔ اور مجھ سے اس قدر نفرت!

فیروزہ۔ (آہ بھر کر) "ظفر پیارے یہی دونوں تصویریں زیست کا

سامان ہیں جس وقت دونو کی یاد سے بے چین ہوتی ہوں۔ ان تصویروں کو آنکھوں سے لگا کر تسکین حاصل کر لیا کرتی ہوں۔ آج سے چار سال قبل یہ ایک اور دس سال سے دوسری۔ ہر وقت میرے سینے پر ہیں+ دیکھو پھر دیر لگ گئی۔ اچھا خدا حافظ و ناصر"+

اب مجبوراً ناچار ظفر نیچی نظریں کئے ہاتھ ملائے بغیر برآمدے میں نکل آیا پیچھے پیچھے فیروزہ بھی کانپتی ہوئی آئی۔ اور رکشا میں ایک بیش قیمت خوبصورت کشن رکھ کر بمشکل کہہ سکی :۔

فیروزہ "لو یہ کشن پیچھے لگا لینا تو لکڑی نہ چبھے گی۔ اور سنو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ میرا جانا تمہاری بیوی کو ناگوار گزرے گا۔ تو یہ نہ بتانا۔ کہ میں فیروزہ ہوں۔ بلکہ کچھ اور مناسب بہانہ کر دینا۔ ایسے جھوٹ سے کوئی گناہ نہیں+

ظفر کچھ نہ بولا۔ فیروزہ نے خود اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبائے۔ پھر آنکھوں سے لگائے۔ اور وہ سوار ہو کر رخصت ہوا+ دونوں کے سینے دفور رنج و غم سے پھٹ جانا چاہئے تھے۔ مگر ایک دوسرے کے سامنے دونوں ضبط کئے رہے۔ مگر رکشا کا بڑھنا تھا کہ خونِ دل ظفر کی آنکھوں میں اُمنڈ آیا۔ اُدھر فیروزہ گھر میں جا کر ایک صوفے پر گر پڑی۔ اور پھوٹ پھوٹ کر روئی +

ظفر کو اس جدائی کے رنج نے اس قدر بے ہوش کر رکھا تھا۔ کہ اسے قطعی خیال تک نہ ہوا۔ کہ دو بجے گھر پہنچوں گا۔ تو بیوی کیا کہے گی۔ عجیب حالت میں راستہ کٹا۔ سوا دو بجے گھر پہنچا۔ رکشا والوں کو دس روپے انعام دے کر رخصت کیا۔ اور خود گرتا پڑتا بمشکل مسہری پر جا کر پڑا۔ گو بیوی جاگ رہی تھی۔ مگر وہ کچھ نہ بولی +

Taj Tahir Foundation

صبح کے وقت جب بیگم ظفر اُٹھی۔ تو ظفر نے خود ہی کہنا شروع کیا:۔
" رات بارش رہی۔ ڈاکٹر گھوش کے ہاں سے صفدر تو ادھر چلے آئے۔ میں ایک کام کے لئے کلھڑی چلا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اس غضب کا پانی پڑنے لگا۔ کہ نکلنا دشوار ہو گیا۔ ٹھیک دو بجے تھے۔ جب گھر پہنچا ہوں۔ مگر بارش اس وقت بھی نہ تھمی تھی + ہاں تم دونوں ذرا تکلف کے لباس سے چلنا۔ رات ڈاکٹر گھوش کہتے تھے۔ کہ اُن کی ہمشیرہ " جھاڑی پانی " پر تم سے ملیں گی۔ ان کی کوٹھی وہیں ہے " +

یہ تقریر بیوی نے خاموشی سے سُنی۔ کچھ جواب نہ دیا۔ اور " باتھ روم " میں چلی گئیں۔ اس کے بعد چلنے کی تیاریاں ہونے لگیں +

جھاڑی پانی

الوداع! الفراق!

دن کے نو بجے کا وقت ہوگا۔ جب مسٹر ظفر کا خاندان جھاڑی پانی کے مقام پر پہنچا۔ بہت پُر رونق قافلہ تھا۔ رکشا ساتھ ساتھ تھیں + بیگمیں گورنس اور بچے ڈانڈیوں میں تھے۔ ظفر اور صفدر گھوڑوں پر سوار برابر برابر جا رہے تھے۔ اسباب کے بیسیوں قلی ہمراہ تھے۔ غرض نہایت ساز و سامان اور امیرانہ ٹھاٹھ سے یہ سب جھاڑی پانی پر اُترے +

ملازم نے ایک دری پر قالین بچھا کر کرسیاں رکھ دیں۔ اور دونوں بیگمات جو پُر تکلّف لباس اور زیورات میں ملکہ معلوم ہو رہی تھیں۔ اُتر کر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ گورنس بچّوں کو لے کر ٹہلانے لگی۔ خوش قسمتی سے موسم اس وقت اچھا ہو گیا تھا۔ سُورج چمک رہا تھا ظفر رات کی شرمندگی مٹانے کو بیوی کے آگے پیچھے پھر رہا تھا۔ اس خیال سے گھبرا رہا تھا۔ کہ جب فیروزہ نمودار ہوگی۔ تو وہ کیا کرے گا۔ تعارف کرائے گا۔ بات کرے گا۔ یا دلِ بیتاب کو سنبھالے گا۔ اور پھر اُس کو یہیں چھوڑ کر کس دل سے یہاں روانہ ہوگا ✣

راستہ میں اس نے گزشتہ رات کی تمام داستان صفدر سے بیان کر دی تھی۔ اور اب صفدر بھی فیروزہ کے انتظار میں ہمہ تن چشم تھا ظفر کے تو معمولی کپڑے تھے۔ مگر صفدر نہایت شاندار سیاہ سُوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اور دونوں بیگمات کا بھی نہایت عمدہ اور بیش قیمت ایک سا لباس تھا۔ وہ اس وقت آتشی گلابی کارچوبی کی ساریاں اور سفید ریشمی بلاؤس پہنے تھیں۔ جن پر چار چار انچ چوڑی سلمہ ستارے کی سچی بیلیں ٹکی تھیں۔ اور یاقوت اور موتی کا جڑاؤ اور فیشن ایبل زیور تھا۔ سروں پر ایک ایک چاند لگا تھا۔ دونوں بچے بھی رنگین لباسوں میں خوش نما گلدستہ بن رہے تھے۔ ننھی عذرا اِدھر اُدھر اُچھلتی پھرتی تھی ✣

مغلانی جی فرش پر اپنے بڑے پائینچے پھیلائے بیٹھی گلوریاں بنا رہی تھیں۔ چاندی کے اُگال دان اور سنہری خاصدان قالین پر رکھے چمک رہے تھے ✣

ان سب کو اُترے بمشکل بیس ہی منٹ گزرے ہونگے۔ کہ سامنے سے

Taj Tahir Foundation

چند قلی ایک خالی ڈانڈی لاتے نظر آئے۔ ظفر و صفدر نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ تو خود لیڈی ڈاکٹر صاحبہ بھی خراماں خراماں ان کی طرف چلی آ رہی تھیں +

اس وقت بھی وہ وہی سادہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ حالانکہ بیگم ظفر اور صفدر سے یہ پہلی ملاقات کا موقع تھا۔ سیاہ رنگ کی ریشمی ساری تھی۔ اور اسی رنگ کی بلاؤس اور سیاہ بوٹ + زیور وغیرہ میں سوائے ایک بے نگینے کی انگشتری کے اور کچھ نہ تھا۔ ہاں گلے میں وہ سنہری زنجیر ضرور تھی۔ مگر اس کی تصویر اس وقت نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ گھڑی کی طرح جیب میں رکھی تھی۔ اور صرف زنجیر دکھائی دیتی تھی +

چند قدم بڑھ کر انہوں نے ڈاکٹر کا استقبال کیا۔ اور ظفر نے کانپتے ہوئے ہاتھ ملا کر بمشکل مزاج پوچھا۔ اور تینوں اندر بیگمات کے پاس پہنچے + بے چاری ظفر بیگم کو کیا خبر تھی۔ کہ ڈاکٹرنی کون ہیں۔ وہ دونوں مسکراتی ہوئی اٹھیں۔ اور مصافحہ کیا۔ صفدر نے ان کا تعارف کرا دیا۔ اور چاروں بیٹھ گئے۔ مگر ظفر وہاں نہ ٹھیر سکے۔ اور ٹہلتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے +

فیروزہ مسکراتی ہوئی سب کو دیکھ رہی تھی۔ چھوٹے بچے کو بلا کر گود میں لے لیا۔ اور لڑکی کو سینے سے لپٹا کر پیار کیا +

ظفر بیگم "آپ کی رواداری کی ملاقات سے بھی بہت ہی خوشی ہوئی۔ کہ ہم نے آپ کو دیکھ لیا۔ مگر اس خیال سے دل کو بہت رنج ہو رہا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے سے کیوں نہ مل سکے" +

ڈاکٹر "بے شک پہلے ملاقات ہو جاتی۔ تو میری خوش قسمتی تھی۔ مگر میں یہاں موجود نہ تھی۔ ابھی آئی ہوں۔ میں آپ دونوں بیگمات کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ کہ آپ اس قدر محبت سے پیش آئیں۔ زندگی رہی تو پھر

Taj Tahir Foundation

کبھی ملاقات ہو جائے گی + مسٹر صفدر میں آپ کو شادی کی۔ اور پھر ایسی حسین و خوش مزاج بیوی پلنے کی دُہری مبارک دیتی ہوں +

صفدر "آپ کو مسز صفدر کی شکل اچھی لگی۔ میں اس خیال سے پسند کا شکر گزار ہوں +

فیروزہ "اوہو۔ میری پسند کا شکریہ! میں ظفر بیگم کو بھی بہت پسند کرتی ہوں۔ لاکھوں میں ایک صورت ہے۔ بچے کیسے پیارے ہیں۔ خُدا ان کو عمر دے" +

نزہت آرا "آپ کی پسندیدگی کا شُکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کہنے کی بھی جرأت کرتی ہوں۔ کہ خواہ ہم آپ کو کتنی ہی اچھی لگیں۔ مگر آپ اس سادگی میں بھی جس غضب کی حسین معلوم ہو رہی ہیں۔ ہمارے ہی دل جانتے ہیں" +

حقیقت یہ تھی۔ کہ صفدر اپنی بیوی کو سب حال سے آگاہ کر چکے تھے۔ اور وہ جانتی تھی۔ کہ یہ فیروزہ ہے +

ڈاکٹر۔ (یہ سمجھ کر کہ وہ آگاہ ہے) "میں کیا اور میرا حسن کیا۔ خُدا آپ سب کو خوش رکھے۔ آپ سب کا اب زمانہ بہار ہے۔ آپ پھولیں پھلیں۔ مگر چونکہ آپ میری قدر کرتی ہیں۔ اس لئے میں اس کا شکریہ ادا کرتی ہوں" +

نزہت "آپ کی چند ہی منٹ کی ملاقات میں آپ سے الگ ہونے کو دل نہیں چاہتا۔ ہمارے دل ہی کچھ ایسے اثر پذیر ہیں۔ ابھی گزشتہ ماہ میں ایک سول سرجن صاحب کی بیوی مسز کامران بمبئی سے آئی تھیں۔ ہمیں ان سے اس قدر الفت ہو گئی تھی۔ کہ کچھ ٹھکانا نہیں" +

ظفر بیگم "مگر نزہت میں ڈاکٹر صاحبہ کو دیکھ کر غور کر رہی ہوں۔ بالکل

مسز کامران کی ہم شکل ہیں۔ بنگالی لوگ تو اس قدر صاف رنگ نہیں ہوتے۔ مگر ہماری ڈاکٹر صاحبہ کو خدا نے یورپین عورتوں کا رنگ روپ دیا ہے"+

صفدر:۔ "اسی خیال سے تو ہم نے انہیں آپ سے ملایا۔ کہ اپنی عزیز دوست مسز کامران کی تصویر دیکھ لو"+

ڈاکٹر:۔ "اچھا اب تھوڑا سا ناشتہ کر لیجئے۔ مَیں کچھ چیزیں ہمراہ لائی ہوں۔ آپ کی حاضری کا یہی وقت ہوگا؟ دس بجنے والے ہیں"+

ظفر بیگم:۔ "آپ کی مہربانی۔ مگر اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی"+

صفدر:۔ "اچھا منگوایئے۔ اس وقت سب ساتھ کھائینگے"+

ڈاکٹر صاحبہ:۔ "تو قلیوں سے چیزیں منگوا لیجئے"+

ملازمہ عورت نے درمیان میں میز لگا کر سب کچھ چنا۔ اب ظفر بلوائے گئے۔ مگر انہوں نے بھوک نہ ہونے کا عذر کر دیا+

ڈاکٹر صاحبہ بہت پر تکلف سامان ساتھ لائی تھیں۔ اپنے جاپانی خانساماں کو آدھی رات سے جگا کر تمام چیزیں اپنی نگرانی میں پکوائی تھیں۔ کچھ پھل وغیرہ بازار سے خریدے تھے۔ غرض کہ کئی ٹوکرے بھرے ہوئے ان کے ہمراہ آئے تھے+

سب نے کھانا کھایا۔ گیارہ بجے کے قریب کھانا ختم ہوا۔ اور چلنے کی تیاری ہونے لگی۔ ڈاکٹر صاحبہ نے دونوں بچوں کو دو قیمتی فراک اور ٹوپیاں دیں۔ اور کچھ کھلونے گڑیاں وغیرہ۔ اور ان کی گورنس کو ایک چوڑی دار ہاتھ کی گھڑی+ بیگم صفدر کو ایک زمرد و یاقوت جڑا سہ لڑا نکلیس پہنایا۔ ظفر دور سے ٹہلتے ہوئے بے تاب دل اور حسرت زدہ آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مگر نزدیک آنے کی جرأت نہ ہوتی

تھی۔ سب کے بعد فیروزہ بیگم ظفر کے قریب آئی۔ اور ان کے سینے پر ایک ہلال نما الماس مرصع بروچ لگا کر انگلی میں ایک موٹا سا سنہری چھلا (جیسا انگریزوں میں شادی کا چھلا ہوتا ہے) پہنا دیا۔ اور ان کے ہاتھ کو چوم لیا۔

صفدر اس انگشتری کے راز سے واقف تھے۔ انگلستان روانہ ہوتے وقت ظفر نے قبل از وقت ہی اپنی شادی کی انگوٹھی فیروزہ کو پہنا دی تھی۔ لیکن اب چونکہ وہ عہد ٹوٹ چکا تھا۔ اور ظفر کی شادی اس بیگم سے ہو گئی تھی۔ اس لئے فیروزہ نے بچشم نم وہ شادی کی انگشتری اس خوش قسمت کی انگلیوں میں پہنا دی۔ کہ

"حق بحق دار رسید"

یہ دیکھ کر مایوس و مجبور دلہن نے کامران بیگم کو کس حسرت سے وہ نشان امتیاز زوجیت بخش دیا ہے۔ اور خود محروم رہ گئی۔ صفدر کو بھی بے انتہا صدمہ ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے چہرہ پھیر لیا۔

جب فیروزہ ظفر بیگم کے ہاتھ کو بوسہ دے کر ہٹی۔ تو ظفر بیگم نے اس کا بے انتہا شکریہ ادا کیا۔ صفدر نے بھی طبیعت کو سنبھالا۔ اور کسی قدر مسکرا کر بولا:۔

صفدر:۔ "ڈاکٹر صاحبہ یہ کیا؟ میری بیوی کو ایک چیز اور ظفر بیگم کو دو۔ اس کا سبب بتایئے۔ ورنہ یہ چھلا واپس لے لیجئے"۔

نزہت آرا:۔ "نہیں بلکہ یہ میرا نکلیس بھی انہیں کو پہنا دیں"۔

ڈاکٹر۔ آپ کا ہار بڑا ہے۔ اس لئے ایک ہے۔ اور چونکہ یہ چیزیں چھوٹی ہیں۔ اس لئے دو ہیں۔ اچھا اب رخصت چاہتی ہوں۔ آپ کا بھی ہرج ہو رہا ہے۔ اور میرے زیر علاج مریض بھی جمع ہونگے۔ یہ تینوں حیران تھے کہ تمام

Taj Tahir Foundation

تحفوں کا بدلہ کس طرح دیں۔ نزہت آرا ظفر بیگم نے جلدی میں اپنے ہاتھ سے ایک ایک انگوٹھی اُتار کر بطور نشانی زبردستی فیروزہ کو پہنا دی۔ اور نہایت گرم جوشی سے بغلگیر ہو کر اس سے رُخصت ہوئیں +

فیروزہ باہر نکلی۔ تو ظفر کچھ فاصلے پر مُنہ دوسری طرف کئے کھڑا تھا۔ فیروزہ نے باہر نکل کر اس کی طرف دیکھا۔ ظفر نے بھی چہرہ پھرایا۔ نگاہیں چار ہوئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ دونوں کی روحیں جسم کے بند توڑ کر باہم مل جانا چاہتی ہیں ظفر کھڑا کانپ رہا تھا۔ اس کا دل شق ہوا جاتا تھا۔ اُس کا سر جُھک گیا۔ آنسوؤں کے پردے نے فیروزہ کی نگاہوں سے ظفر کا چہرہ اوجھل کر دیا۔ اس نے پلکیں جلدی جلدی جھپک کر آنسوؤں کو پی لیا۔ اور سر جُھکا کر مایوس و نامراد قدم اُٹھاتی ہوئی دوسری طرف چل دی۔ اسے رُخصت ہوتے ہوئے دیکھ کر ظفر کے قدم بے اختیار بڑھے۔ کہ دوڑ کر اس سے لپٹ جائے۔ مگر وہ دفعتاً رُک کر رہ گیا۔ صفدر نے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا +

قافلہ پھر روانہ ہوا۔ آگے آگے بیگموں کی سواری تھی۔ پیچھے مزدور تھے۔ اور سب کے بعد صفدر اور ظفر گھوڑے پر سوار تھے۔ ظفر کا چہرہ اس وقت دُنیا کی ٹریجیڈی کا ایک نہایت صحیح مرقع تھا +

ایک موڑ پر اُنہوں نے گردن پھرا کر پیچھے دیکھا۔ دُور پہاڑ کی چوٹی پر ایک سیاہ پوش عورت بے حس و حرکت کھڑی اس قافلے کو حسرت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بادل اس کے سر پر بے چینی سے پھر رہے تھے۔ ایک یاس و نااُمیدی کا مدہم ہالہ اس کی پژمردہ ہستی کے گرد دکھائی دے رہا تھا۔ اور زبان حال سے کہہ رہا تھا :-

"الوداع! الفراق"

(سید حمید علی نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ۔ لاہور میں باہتمام پنڈت دسرم چند بھارگو بی۔ ایس سی چھپوا کر شائع کیا)

Taj Tahir Foundation

تصانیف محترمہ نذر سجّاد حیدر صاحبہ

اختر النّساء بیگم ۔ ایک تعلیمیافتہ سگھڑ لڑکی کا قصہ۔ جس نے اپنے باپ کی بے پرواہی اور سوتیلی ماں کی دُشمنی سے بُری جگہ بیاہی جانے سے سخت مُصیبتیں جھیلیں۔ اور آخر اپنی تعلیم اور روشن خیالی کی مدد سے سب مشکلات پر فتح پائی۔ بہت دلچسپ قصہ۔ قیمت ۱۲ر ۲ پائی

آہِ مظلُوماں ۔ اس کتاب میں دو نہایت دردانگیز و عبرت خیز قصّے ہیں۔ ایک قصّے میں ایک دولت مند خاندان کے ڈپٹی صاحب کا حال درج ہے۔ جنھوں نے اپنی عالی خاندان بیوی چھوڑ کر ایک کم درجے کی عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ اور دوسرے میں ایک غریب خاندان کی عورت کی سرگذشت ہے۔ دونوں قصّے ناواجب کثرتِ ازدواج کے نتائج اور بعض بیوقوف مردوں کے ظلم وستم کے آئینے ہیں۔ قیمت ۱۰ر

دُکھ بھری کہانی ۔ دوسری شادی کی بُرائیوں کی دردناک اور مو نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۳ر

سلیم کی کہانی ۔ ایک غریب مگر باہمت لڑکے کا قصہ۔ قیمت ۲ر

پھُولوں کا ہار ۔ بچّوں کے لئے ایسی مزیدار کہانیاں۔ کہ پڑھکر دل خوش ہو جائے۔ تصویردار۔ قیمت ۲ر

ملنے کا پتہ

دارالاشاعت پنجاب لاہور

(سرورق امرت الیکٹرک پریس لاہور میں چھپا)

Taj Tahir Foundation